حکیمِ اہلسنّت
اور
تحریکِ پاکستان
جلال الدین ڈیروی
دار الفیض گنج بخش ○ لاہور

حکیم اہل سنت

اور

تحریک پاکستان

جلال الدین ڈیروی

دار الفیض گنج بخش۔ لاہور

بیاد: امام الاولیاء، سلطان الاصفیاء، حضرت شیخ سید علی ہجویری
معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز
بفیضانِ نظر: حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ

کتاب---------- حکیم اہل سنت اور تحریک پاکستان

مؤلف--------- جلال الدین ڈیروی

صفحات--------- 112

نظر ثانی--------- محمد عالم مختار حق

کمپوزنگ--------- المصطفیٰ کمپوزنگ سنٹر۔ لاہور

اشاعت--------- ربیع الانور 1421ھ، جون 2000ء

تعداد--------- ایک ہزار

ناشر--------- میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی

ہدیہ--------- دعائے خیر حق معاونین.

ملنے کا پتا

دار الفیض گنج بخش

حکیم محمد موسیٰ روڈ (55۔ ریلوے روڈ) حضرت لاہور۔ 54000

انتساب

محترم میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی کے نام جو حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری قدس سرہ العزیز کے دست راست کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے اور اب مرحوم و مغفور کی تعلیمات کی روشنی کو عام کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ یہ ایسی قومی اور ملی خدمات ہیں جو تحریک پاکستان کے مقاصد و اہداف کی پیش رفت میں ممد و معاون ہیں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
نیک تمناؤں کے ساتھ
منجانب: سگِ کوچۂ داتا و غوث
میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

ڈاکٹر ایم۔ ایس ناز

محسن ملت حکیم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ (۱۹۲۷ء۔ ۱۹۹۹ء) امرتسری ثم لاہوری تاریخ ملت اسلامیہ کا بیش قیمت سرمایہ اور اہل ایمان کی آبرو تھے۔ علمی و تحقیقی اور دینی و روحانی حلقوں میں ان کی پرکشش شخصیت بے پایاں علم و فضل کی حامل اور قدر و منزلت کا سرچشمہ تھی۔ میرا ان سے پہلی بار تعارف اواخر ۱۹۶۵ء میں ہوا تھا۔ میں ان دنوں نوائے وقت کے ہفت روزہ قندیل سے منسلک تھا اور قبل ازیں میرے مضامین روزنامہ امروز اور کوہستان کے علاوہ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ میں باقاعدگی سے شائع ہوا کرتے تھے۔ بس صریر خامہ کا یہی ایک تعلق خاطر مجھے حکیم صاحب کی معارف پروری کے قریب لے آیا تھا۔ پھر ان کی بے لوث رفاقت، ذہنی یگانگت اور فکری ہم آہنگی میرے قلب و جگر میں کچھ ایسی جاگزیں ہو کر رہ گئی کہ میں ایک ادنیٰ طالب علم اور ان کے ایک معمولی عقیدت مند ہونے کی حیثیت سے اپنی علمی و تحقیقی اور دینی و روحانی مشکلات میں اکثر ان سے بالمشافہ، اور بعض اوقات بذریعہ مکاتبت رہنمائی حاصل کرتا رہا۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری فرزند رشید حکیم فقیر محمد چشتی نظامی فخری (۱۸۶۳ء۔ ۱۹۵۲ء) کی ناقابل فراموش ملی خدمات کسی تعریف و تعارف کی

محتاج نہیں۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک عہد آفریں پہلو یہ ہے کہ انھوں نے تحریکِ پاکستان کے زمانے میں نوجوانانِ امرتسر کے ساتھ مل کر قیامِ پاکستان کی جدوجہد کو کامیاب بنانے میں ایک مثالی کردار ادا کیا، جس کے بلیغ اشارات فرخ امرتسری کی کتاب خون کی ہولی اور جب امرتسر جل رہا تھا تالیف خواجہ افتخار میں بھی ملتے ہیں۔ حکیم محمد موسیٰ بلاشبہ تحریکِ پاکستان کی تاریخ کے عینی شاہد تھے۔ انھوں نے ساری زندگی مطالعہ و تحقیق میں گزاری، بے شمار مقالات لکھے اور متعدد بلند پایہ نایاب کتب کو نہ صرف تلاش کیا، بلکہ ان پر مفید حواشی اور تبصرے بھی قلمبند کر کے شائع کرائے۔ علوم دینیہ پر ان کی عمیق نظر تھی اور تصوف و طریقت کے رموز و نکات اور بزرگانِ دین کے ملفوظات کا وہ انسائیکلوپیڈیا تھے۔

میرے ممدوح ڈاکٹر پیر محمد حسن شیخ الادب (م ۱۹۹۹ء) کے بقول:
حکیم محمد موسیٰ کی تربیت خالص سنی ماحول میں ہوئی تھی اور انھیں اساتذہ بھی ایسے ملے، جو ان کے سنی خیالات کو اور مضبوط کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے اہل سنت کے عقائد اور تعلیمات کی ترویج و تشہیر کے لئے ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور قائم کی، جو قلیل مدت میں پاکستان کی سرحدوں سے نکل کر بھارت اور بنگلہ دیش جا پہنچی اور اس کا دائرہ اثر و نفوذ دیگر بلاد اسلامیہ اور بلاد مغرب تک پھیل گیا۔ میرے مربی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے نزدیک: یہ حکیم صاحب کے اخلاص اور جدوجہد پیہم کا نتیجہ تھا کہ پاک و ہند، یورپ و امریکہ اور افریقہ کی جامعات میں امام احمد رضا کی حیات و خدمات پر تحقیق ہونے لگی اور حکیم صاحب ابر بہار بن کر چھا گئے۔ انھوں نے اہل سنت کو بیدار کیا اور انھیں باور

کرانے کی کوشش کی کہ وہی دینِ اسلام کے حقیقی علمبردار، شیدائی رسول ﷺ، تابعین سنت اور اس تحریک کے داعی و محافظ ہیں، جنہوں نے قائدین آل انڈیا مسلم لیگ کے شانہ بشانہ قیام پاکستان کی جدو جہد میں حصہ لیا۔ عبدالحکیم شرف قادری کے الفاظ میں: علم و قلم کی آبرو کی لاج جس طرح حکیم صاحب نے رکھی، وہ انہی کا حصہ ہے۔ لاہور میں ان کا مطب ڈاکٹر محمد ایوب قادری (م ۱۹۸۳ء) کے بقول: طبی مرکز سے زیادہ علم وادب اور تہذیب و ثقافت کا مرکز رہا، جہاں ہر وقت تشنگان علوم جمع رہتے اور حکیم صاحب سے مستفید و مستفیض ہوتے تھے۔

میری حکیم صاحب سے تقریباً چھتیس برس سے یاد اللہ تھی۔ وہ جن مرئی خدمات اور غیر مرئی صفات کا مرقع تھے، اس کے اظہار واعتراف کے لئے میں ان دنوں ان کی حیاتِ کامل، ان کے افکار و حوادث اور ان کے زریں کارناموں کو اجاگر کرنے میں تحریری طور پر کوشاں اور مصروف و مستغرق ہوں۔ لیکن مجھے سب سے زیادہ اس بات کی خوشی ہے کہ میرے پیشرو جلال الدین ڈیروی نے ایک ایسا تحقیقی کارنامہ کر دکھایا ہے، جو وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اس علمی کاوش پر جس قدر ناز کیا جائے کم ہو گا۔ محترم جلال الدین ڈیروی نے اپنی اس کتاب میں تحریک پاکستان کے حوالے سے حکیم صاحب کی خدمات اور ان کے ملی جذبات و قومی احساسات کو جس تحقیقی، مگر خوبصورت، عام فہم اور سلیس انداز میں خراج تحسین پیش کیا ہے، وہ انہی کا خاصہ ہے، اور وہ اس کے لئے بید رنگ تحسین و مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حکیم محمد موسیٰ کی شخصیت بیک وقت دینی اور سیاسی بصیرت و بصارت کا پیکر بے مثال تھی۔ وہ برسوں کی ذہنی عرق ریزی اور مطالعہ تحقیق کے بعد اس

نتیجے پر پہنچے تھے کہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ان علماء کا تذکرہ تو بطور ہیرو کے ملتا ہے، جنہوں نے قیام پاکستان کی نہایت شدومد سے مخالفت کی اور جو ہندوؤں کے حاشیہ بردار اور انگریزوں کے کاسہ لیس تھے، مگر اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی اور وہ سنی علماء و مشائخ، جنہوں نے برصغیر کی جدوجہد آزادی میں قائداعظم اور آل انڈیا مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور جن کی انگریز دوستی اور ہندو تعلق داری سے متعلق کوئی حوالہ نہیں ملتا، وہ تاریخ تحریک پاکستان نصابی کتب میں بھی سرے سے مفقود و محو ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ حکیم صاحب کی مجالس میں جب کبھی تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کی جدوجہد کا تذکرہ اس تناظر میں موضوع بحث بنتا، وہ اکثر مغموم ہو جایا کرتے اور انہیں اپنوں کی غفلت، بے بسی، تساہل پسندی پر بہت دکھ ہوتا۔ ایک ٹیس سی ان کے دل میں اٹھتی اور ایک ایسا درد ان کے چہرے سے عیاں ہوتا کہ جسے کوئی دوسرا نہیں، بلکہ وہ خود ہی محسوس کر سکتے تھے۔ شاید میر درد نے ایسے ہی کسی موقع کے لئے کہا تھا۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کر و بیاں

زیر نظر تحقیقی کاوش کے مصنف و مؤلف نے حکیم صاحب مرحوم و مغفور کے درد دل کو اپنا درد دل محسوس کرتے ہوئے اہل سنت کے ان مخالفین، انگریزوں کے کاسہ لیس اور کانگرس اور انتہاء پسند ہندوؤں کے خوشہ چینوں کا پردہ فاش کرنے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی ہے، جو منافقانہ حد تک، ایک طرف تو تحریک پاکستان کے حقیقی وارث علماء و مشائخ کے کردار کو

ہمیشہ واغدار کرنے کی سازشوں میں لگے رہتے ہیں اور دوسری طرف قیام پاکستان کی ساری جدوجہد کا سہرا خود اپنے ہاتھوں اپنے سروں پر سجانے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

حکیم محمد موسیٰ کے اس ارشاد کی وضاحت کے لئے کہ کانگریسی مولوی انگریز کے کاسہ لیس تھے، سینکڑوں صفحات درکار ہیں، کیونکہ انگریز دور کی خفیہ دستاویزات میں اس سے متعلق کئی شواہد موجود ہیں۔ مثلاً اسی موضوع کا ایک تعلق تحریک بالاکوٹ سے ہے اور کسی مستند ماخذ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اول تا آخر کسی مرحلے پر اس تحریک کے قائدین میں سے کسی ایک نے بھی انگریزوں کو للکارا ہو، یہاں تک کہ مولانا اسماعیل "شہید" نے برسر عام یہ اعلان کر دیا تھا کہ سرکار انگریز پر نہ جہاد مذہبی طور پر واجب ہے نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے۔ مزید براں سید احمد بریلوی نے مولانا اسماعیل "شہید" کے مشورے پر شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی سے سکھوں کے خلاف جہاد میں جو مدد لی، وہ ریکارڈ پر ہے۔ اس کے بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی پروفیسر محمد ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق اکابر علماء دیوبند نے انگریزوں سے ٹکر لینے سے گریز کیا اور ان میں سے بعض مخالفین اہل سنت نے اپنی تقریروں میں واضح طور پر جہاد آزادی میں شریک مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی تسلیم کرتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور ان کے رفقاء جنگ آزادی کی کارروائی میں ملوث نہیں تھے۔ مولوی محمد عاشق الٰہی میرٹھی کی تصنیف تذکرۃ الرشید میں ۱۸۵۷ء کے واقعات وحالات سے ثابت ہوتا ہے کہ

اکابر علماء دیوبند اپنی مہربان انگریز سرکار کے دلی خیر خواہ تھے۔

زیر نظر کتاب میں بھی جلال الدین ڈیروی نے اس نوع کے بے شمار دلائل کے بعد حکیم اہل سنت مرحوم حکیم محمد موسیٰ امر تسری کے اس ارشاد کو بجا طور پر درست قرار دیا ہے کہ اکابر علماء دیوبند نے نہ صرف کھل کر تحریک پاکستان کی مخالفت کی، بلکہ وہ انگریز کے ہم نوا بھی تھے۔ بر عکس اس کے، امام احمد رضا بریلوی اور ان کے پیروؤں کے علاوہ سنی علماء و مشائخ نے بیک وقت انگریز اور ہندو۔ دونوں کی مخالفت کی اور کانگرس کے مقابلے میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ساتھ دیتے ہوئے تحریک پاکستان میں عملاً حصہ لیا اور جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔

کتاب ہذا میں تحریک پاکستان کے ضمن میں تحریک ہجرت و ترک موالات کو بھی حکیم محمد موسیٰ مرحوم و مغفور کے ارشادات اور مطالعات و استفادات کی روشنی میں موضوع سخن بنایا گیا ہے اور ہندوؤں کی روایتی مسلم دشمنی اور ذبیحہ گاؤ کے مسئلے پر مشہور تاریخی استفتاء کے مفصلات و مدللات پر ان کانگرسی علماء کے سیاسی و مذہبی کردار کو بے نقاب کیا گیا ہے، جنہوں نے مسٹر گاندھی کو ایک دن جامع مسجد شیخ خیر الدین امر تسر میں منبر رسول ﷺ پر لا کر بٹھا دیا تھا اور خود اس کے قدموں میں بیٹھ کر یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! تو گاندھی کے ذریعہ اسلام کی مدد فرما۔ (معاذ اللہ)

یہ کانگرسی علماء گاندھی کی جے پکارنے اور قائد اعظم کی مخالفت کرنے میں کس کس طرح پیش پیش رہے، حکیم محمد موسیٰ امر تسری کو اس دور کے مخالفین اہل سنت کی تاریخ کا ایک ایک واقعہ ازبر تھا۔ جلال الدین ڈیروی نے اب ان سب واقعات کو حوالہ جات کے ساتھ صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے حکیم محمد

موسیٰ کی سیاسی بصیرت اور تحریک پاکستان میں ان کی علمی وملی خدمات کا نہ صرف اعتراف کیا ہے، بلکہ انہیں شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرنے کا حق بھی ادا کر دیا ہے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اہل سنت کے ہاں اہل قلم کی کمی ہے نہ اہل دولت کی، لیکن ان کی اصل کمزوری در حقیقت تنظیم کا فقدان ہے۔ یہ لوگ تسبیح کے دانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں اور انہیں ان کے مخالفین نے منتشر کر رکھا ہے، کیونکہ مخالفین پاکستان اس امر سے خوبی آگاہ ہیں کہ اگر سواد اعظم کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہونے کا موقع مل گیا تو وہ ان کے سیاسی کردار کو بے نقاب کر کے رکھ دیں گے اور تقسیم ہند کی جدوجہد میں ان کی پاکستان دشمنی منصۂ شہود پر آجائے گی۔ نیز اس صورت حال کے بعد ان مخالفین پاکستان کا ملک کے کلیدی عہدوں پر فائز رہنا ناممکن ہو کر رہ جائے گا۔ حکیم صاحب اکثر جذباتی انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ پاکستان بننے کے بعد دو قومی نظریے کے دشمن جس طرح آسودہ حال ہیں اور انہوں نے اس ملک کے وسائل اور یہاں کے اداروں پر تصرف جما رکھا ہے، اسے دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ پاکستان شاید انہی کے لئے معرض وجود میں آیا تھا، ورنہ تحریک پاکستان میں عملاً حصہ لینے اور قربانیاں دینے والوں کی اولادیں یوں بددل، مایوس، مفلوک الحال اور بے روزگار و بے بس و مجبور و لاچار دکھائی نہ دیتیں۔ محترم جلال الدین ڈیروی نے گو تحریک پاکستان کی کامیابی کے بعد مخالفین پاکستان کے اس نازک پہلو کو نہیں چھیڑا تاہم انہوں نے وہ تمام حقائق یکجا کر دیے ہیں، جن سے مستقبل کے مورخین و محققین کو تحریک پاکستان کا حقیقی رخ پہچاننے میں یقیناً مدد ملے گی۔ اس کتاب کے

مطالعہ سے تحریک پاکستان میں جہاں اہل سنت کا بے لوث کردار تابندہ و درخشاں دکھائی دے گا، وہاں مخالفین تحریک پاکستان کے مدقوق اور داغ دار چہروں کو پہچاننے میں بھی کوئی مشکل نہ رہے گی۔

آخر میں میاں زبیر احمد اور ریاض ہمایوں تشکر و امتنان اور تہنیت و مبارک باد کے مستحق ہیں، جو اس کتاب کو شائع کر رہے ہیں۔ ان دونوں کی مثال قران السعدین کی ہے۔ ان کی تربیت حکیم صاحب مرحوم و مغفور کے زیر سایہ ہوئی اور میرے نزدیک وہی حکیم صاحب کے معنوی فرزند ہیں۔ آج انہوں نے حکیم اہل سنت کے مشن کو زندہ رکھنے کا عزم صمیم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ ان کے جذبوں کو مزید ہمت عطا فرمائے اور انہیں کامیابی سے نوازے۔ (آمین) کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کا خشوع و خضوع سے مطالعہ کیجئے اور ہم سب کے حق میں دعائے خیر بھی کیجئے۔ اللہ تعالیٰ جنت میں حکیم صاحب کے درجات کو اور بلند فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

ایم۔ ایس ناز

ادارہ تحقیقات اسلامی

(بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی)

اسلام آباد

۲۱ر مئی ۲۰۰۰ء

تحریک پاکستان

اور

حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امر تسری

محترم بشیر حسین ناظم رقم طراز ہیں:۔

"جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب کے تحت الشعور میں ایک شخصیت جس کا اسم گرامی "اعلیٰ حضرت امام احمد رضا" ہے نور پاش ہے، اعلیٰ حضرت سراپا عشق بجملہ صفات و تعریف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ یہ ایک قوت فعال ہے اس قوت فعال کی برکت سے تانبہ کندن بن جاتا ہے، مس زر بن جاتا ہے، تلخ شیریں بن جاتا ہے، عناد مودت بن جاتا ہے، عداوت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور نفرت، انجذاب بن جاتی ہے، چنانچہ جناب حکیم صاحب مد ظلہ العالی واللہ، تاللہ، باللہ، ایسی فعال شخصیت ہیں جو اپنی شیخوخی میں بھی فخر شبان اور عز نوجوانان ہے۔ حکیم صاحب نے اپنی قوت فعال کے ذریعے "مسلک بریلویت" کو زندہ کیا، اس کے جسم و جان میں روح پھونکی اور اس کے کالبد کو باغ مسالک میں شمشاد صفت کھڑا کر دیا ہے۔ اس طرح "مسلک بریلویت" جسے حقیقۃ مسلک مظہر عشق

مصطفیٰ ﷺ کہنا چاہیے، کی تجدید حکیم صاحب قبلہ کے دم قدم سے ہوئی ہے اور اب اس کا تشخص اہل عالم کے سامنے اس طرح نکھرا ہے جس کا دھندلانا اب ممکن نہیں۔ جناب حکیم صاحب کو ان کی جانفشانی، کاوش، محنت، اعلیٰ حضرتؒ سے محبت و مودت، پر مسلک اعلیٰ حضرت سے قلبی لگاؤ پر پوری ملت عشق نبی ﷺ کو مبارک باد دینی چاہیے۔ ان کی خدمات کو بہر نوع خراج عقیدت پیش کرنا چاہئے اور جہاں ممکن ہو ان کی عزت و تکریم میں شمہ بھر کمی واقع نہ ہونے دی جائے۔ حکیم صاحب اپنے کارہائے نمایاں میں حمد اللہ تعالیٰ امر ہو چکے ہیں اور محسن ملت مسلک اعلیٰ حضرت ہونے کی وجہ سے درجہ محبوبیت میں ہیں، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: واللہ یحب المحسنین۔"[1]

ناظم صاحب نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی تجدید کے باعث قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہم سب کے محسن ہیں۔ چونکہ آج وہ اس فانی دنیا کو خیرباد کہہ چکے ہیں، اس لئے انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے مشن کو جاری رکھا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح سنی اکابر نے تحریک پاکستان میں گراں قدر خدمات سرانجام دی تھیں لیکن ایک عرصہ تک ان کے معتقدین نے انہیں ضبط تحریر میں لانے سے گریز کیا جس کے باعث اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ خدانخواستہ اپنوں کی خاموشی اور مخالفین کی مسلسل معاندانہ سرگرمیوں کے باعث یہ تاریخ کا حصہ بننے سے رہ نہ جائیں، بالکل

اسی طرح اگر حکیم صاحب مرحوم کی طویل جدوجہد کو تحریری شکل میں پیش نہ کیا گیا اور ان کی تحریک کو زبانی جمع خرچ تک محدود رکھا گیا تو ہو سکتا ہے کہ کہیں ہم پھر حسب سابق جمود کا شکار نہ ہو جائیں، اس لئے قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زریں کارناموں کو اجاگر کرنا اور ان کی چلائی ہوئی تحریک میں مزید قوت پیدا کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

قبلہ حکیم صاحب مرحوم کی ہمہ گیر خدمات کا کسی ایک مقالہ میں احاطہ کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی یہ راقم جیسے کم علم لوگوں کا کام ہے۔ یہ چند سطور تو محض اس لئے قلمبند کی جا رہی ہیں کہ ان کے مقدس مشن کو جاری رکھنے والوں کی فہرست میں اس ناچیز کا نام بھی آ جائے ورنہ اصل ذمہ داری ان اہل علم اور با صلاحیت اہل قلم کی ہے جنہیں حکیم صاحب مرحوم دریافت کر کے حرکت میں لائے تھے اور جنہوں نے نہایت تحقیقی اور مستند مواد دنیا کے سامنے پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اہل سنت کے پاس نہ تو لکھنے والوں کی کمی ہے اور نہ سرمایہ کی، ان کی اصل کمزوری تنظیم کی کمی ہے۔ یہ لوگ بکھرے ہوئے ہیں، انہیں ایک ایسی فعال اور مستعد قیادت کی ضرورت ہے جو اس منتشر سواد اعظم کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر دے اور اس کے سرمائے کو نہایت ایمانداری کے ساتھ صحیح طریقے اور جگہ پر خرچ کرے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد آیئے اب اصل موضوع کی طرف، قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بے نظیر کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ہماری گمشدہ و تابناک سیاسی تاریخ تلاش کرنے کی جانب نہ

صرف ہمیں متوجہ کیا بلکہ اس کا کچھ حصہ تحریری شکل میں ہمارے حوالے بھی کر دیا، ہما افرض یہ ہے کہ اس میں مزید اضافہ کریں اور سنی علماء و مشائخ اور ان کے معتقدین نے جو شاندار کردار ادا کیا تھا، اسے جدید تحقیقی انداز میں پیش کرنے کی خاطر متحرک رہیں، کسی بھی موقع پر اسے کافی سمجھ کر چھوڑ دینے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، دیگر تبلیغی مصروفیات کی طرح اسے بھی دین کی ایک اہم خدمت سمجھ کر اس میں منہمک رہیں۔ اور اپنے بعد والوں کو بھی یہ ذہن نشین کرائیں کہ وہ اس مقدس مشن کو ہر حال میں جاری رکھیں کیونکہ کفر و اسلام میں امتیاز قائم رکھنے کا یہ ایک پیمانہ ہے اور ہمارے اکابرین نے دو قومی نظریے کا احیا کر کے یہ بتا دیا ہے کہ دین اسلام کی حفاظت اور اسے فروغ دینے کے لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ ہم دو قومی نظریہ پر کسی حالت میں بھی سمجھوتہ نہ کریں اور دشمنان اسلام کو اپنا بہی خواہ نہ سمجھیں، آج بھی جو عناصر ان کی تائید کرتے ہیں، انہیں اپنے اس غلط موقف پر نظر ثانی کرنے کا مشورہ تو دیں لیکن ان کے ساتھ بھی اشتراک عمل کو خلاف اسلام سمجھیں۔

اس میں شک نہیں کہ بعض مذہبی قیادت کے مدعی حضرات نے تحریک پاکستان کی جی بھر کر مخالفت کی تھی جب کہ سنی علماء و مشائخ اور ان کے پیروکاروں نے بغیر کسی لالچ کے ایک دینی فریضہ سمجھ کر مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا تھا لیکن بدقسمتی سے تحریک پاکستان پر لکھی جانے والی کتب کے مطالعہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مذہبی قائدین یا تو کانگریس کے حامی تھے یا پھر اس جدوجہد سے لاتعلق تھے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کچھ لکھنے والے تو یہ ثابت کرنے پر

تلے ہوئے ہیں کہ پاکستان مذہب کے نام پر نہیں بنا تھا، اس لئے انہوں نے کانگرسی مولویوں کی جدوجہد کو بنیاد بنا کر یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کی کہ سب کے سب مذہبی راہنما قیام پاکستان کے مخالف تھے جبکہ متحدہ قومیت کے حامی اہل قلم نے اپنا سارا زور اس بات کو اجاگر کرنے پر صرف کیا کہ ان کے اکابرین اگرچہ کانگریس کے حامی تھے لیکن ان کی نیت میں فتور نہیں تھا اور وہ متحدہ ہندوستان ہی کو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے بہتر سمجھتے تھے۔ ان لکھنے والوں کو سنی علماء و مشائخ کی جدوجہد کو منظر عام پر لانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ سنی قائدین نے ان کے اکابرین کو شکست سے دوچار کیا تھا، رہے سنی قائدین کے وارث و معتقدین تو انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی، ان کے اس اقدام کی جو بھی تاویل کی جائے، اس کا یہ نقصان بہر حال ہوا کہ غیر جانبدار مورخین کو سنی علماء و مشائخ کے زریں کارناموں کے متعلق مستند مواد نہ مل سکا اور نہ ہی انہوں نے خود اسے تلاش کرنے کی کوشش کی، اس طرح تحریک پاکستان کا یہ ایک نہایت ہی اہم باب وقتی طور پر نظروں سے اوجھل رہا۔

مولانا مودودی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا:

"کانگرسی مولوی کا ذہن ہر جگہ ایک ہی طرح سوچتا ہے۔۔۔ (کچھ توقف کے بعد فرمایا) بعض نظریات ایسے ہوتے ہیں جن کا غلط ہونا آنکھوں کے سامنے ثابت ہو جاتا ہے لیکن کچھ لوگوں کو ہمیشہ ڈوبتی کشتی میں سوار ہونے کی عادت ہوتی ہے"۔ ۲

درحقیقت مخالفین اہل سنت کو بھی یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ان

کے اکابرین نے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کی مخالفت اور مشرکین ہند کی حمایت کر کے فاش غلطی کی تھی، نیز سنی علماء و مشائخ نے اسلامی تعلیمات کے عین مطابق مسلم لیگ کا ساتھ دے کر درست قدم اٹھایا تھا لیکن اس کے باوجود ذوق کشتی میں سوار ہونے کی عادت سے مجبور ہو کر انہوں نے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ہم مسلک علماء و مشائخ کے متعلق یہ بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی کہ قوم کے ان محسنین نے کسی ملی تحریک میں نہ صرف کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ یہ انگریز کے ایجنٹ تھے۔ صحیح الفکر باخبر لوگ اگرچہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کا پروپیگنڈہ صحیح نہیں ہے لیکن چونکہ کوئی تحریری ثبوت ان کے پاس موجود نہیں تھا اس لئے اس کی کو دیکھ کر وہ خود ذہنی کش مکش میں مبتلا تھے اور نئی پود کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کے سلسلہ میں بھی انہیں دشواریاں پیش آ رہی تھیں، ان پریشان لوگوں میں ایک حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری بھی تھے۔ انہوں نے ایک انٹرویو میں اپنی اس پریشانی اور اس سلسلہ میں کام کا آغاز کرنے کے متعلق فرمایا:

"مطالعہ میرا شروع سے شوق رہا ہے میرے مطالعہ کے نتیجہ میں مجھے اس بات نے پریشان کیا کہ تحریک پاکستان کی تاریخ میں ان علماء نے کہ جنہوں نے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی انگریزوں کی کاسہ لیسی کی؛ ان کا تذکرہ تو ہیرو کا طور پر ملتا ہے اور اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کہ جن کے حوالے سے تاریخ میں انگریز دوستی یا تعلق کا کوئی حوالہ نہیں ملتا بلکہ انگریزوں کے شدید مخالف نظر آتے ہیں، ان کا

سرے سے کوئی تذکرہ نہیں ہے میں ان سوالات کو پروفیسر محمد ایوب قادری جو کہ لاہور میں جب بھی تشریف لاتے، میرے ہاں قیام کرتے، سے اکثر کیا کرتا مگر کیونکہ ان کا دیوبندیت کی جانب زیادہ جھکاؤ تھا، اس لیے وہ اس سوال کے جواب کو گول کر جاتے جس سے مجھے اعلیٰ حضرت کے بارے میں پڑھنے کی مزید جستجو ہوئی، یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے میں نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف جو کہ اس دور میں نایاب تھیں، تلاش کر کے پڑھیں اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی حالیہ تاریخ کی ایک مظلوم شخصیت ہیں، لہٰذا اس پر کام کرنے کا ارادہ کیا اور کام شروع کر دیا۔"[۳]

حکیم اہل سنت چونکہ ایک محقق اور تحریک پاکستان کے واقعات کے ایک عینی شاہد تھے، نیز وہ سچی بات کو اپنوں کے منہ پر کہنے سے بھی ہچکچاتے نہیں تھے، اس لیے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ کانگرس سے وابستہ "علماء" انگریز کے بھی کاسہ لیس تھے لیکن چونکہ نصابی اور تاریخ کی کتابوں میں تحریک بالاکوٹ سے لے کر قیام پاکستان تک مخالفین اہل سنت کو جس طرح اسلام کے سچے خادم اور انگریز کے دشمن کے روپ میں پیش کیا گیا ہے اور جس کی مؤثر انداز میں تردید نہیں کی گئی ہے، اس لیے ان کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک پڑھا لکھا آدمی حکیم اہل سنت کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنے سے کتراتا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ کانگرسی مولویوں اور ان کے بڑوں کے سیاسی کردار کا غیر جانبدارانہ بے لاگ تجزیہ کر کے اس کی وسیع پیمانے

پر تشہیر کی جائے لیکن انداز تحریر ایسا ہو کہ اس سے جہاں ٹھوس دلائل کی روشنی میں حکیم صاحب کے ارشاد کی تصدیق ہوتی ہو وہاں وہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہو کہ آپ کسی کی دل آزاری نہیں بلکہ محض تاریخی ریکارڈ درست کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔

تحریک آزادی کے متعلق حکیم صاحب نے ایک انٹرویو میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا تھا جو ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا تھا۔اس کے علاوہ ان کے قلم سے ایک مقالہ "مولانا شاہ احمد رضا خان اور ان کے رفقاء کی سیاسی بصیرت" کے عنوان سے مقالات یوم رضا حصہ اول "مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء میں شامل ہے۔اس انٹرویو اور مقالہ میں تحریک آزادی کے متعلق جن حالات وواقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، انہیں صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کا مطالعہ وسیع ہو، عام پڑھا لکھا آدمی ان سے نہ صرف استفادہ نہیں کر سکتا بلکہ بعض الجھنوں کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔اس لیے زیر نظر مقالہ میں ہم نے حکیم صاحب مرحوم کے ارشادات کی تشریح و توضیح اس انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے پڑھنے والے کے ذہن میں جن شکوک وشبہات کے پیدا ہونے کا احتمال ہو، ان کا جواب اسے موقع پر ہی مل جائے، بعض مقامات پر یہ تشریح اتنی طویل ہو گئی ہے جسے دیکھ کر قارئین کو شائد یہ احساس ہونے لگ جائے کہ مقالہ نگار موضوع سے ہٹ گیا ہے لیکن حکیم صاحب کے ارشادات کو عام فہم بنانے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔

حضرت حکیم صاحبؒ کے ارشاد کہ کانگرسی مولوی انگریزوں کے کاسہ

لیس تھے کی وضاحت کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں لیکن ہم موضوع کی مناسبت سے صرف چند واقعات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ طوالت کی شکایت بھی نہ ہو اور مقصد بھی حاصل ہو جائے

جہاں تک تحریک بالاکوٹ کا تعلق ہے، کسی مستند ماخذ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ابتدا سے لیکر آخر تک کسی مرحلے پر بھی ان کے قائدین نے انگریزوں کو للکارا ہو دراصل ان کا مقصد ہی کچھ اور تھا، مولانا مودودی صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''جس وقت یہ حضرات جہاد کیلئے اٹھے ہیں، اس وقت یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی کہ ہندوستان میں اصلی طاقت سکھوں کی نہیں، انگریزوں کی ہے اور اسلامی انقلاب کی راہ میں سب سے بڑی مخالفت اگر ہو سکتی ہے تو انگریز ہی کی ہو سکتی ہے، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ان بزرگوں کی نگاہ دوررس سے معاملہ کا یہ پہلو بالکل ہی اوجھل رہ گیا کہ اسلام و جاہلیت کی کشمکش کا آخری فیصلہ کرنے کیلئے جس حریف سے نمٹنا تھا، اس کے مقابلہ میں اپنی قوت کا اندازہ کرتے اور اپنی کمزوری کو سمجھ کر اسے دور کرنے کی فکر کرتے۔'' [۴]

ہمارے خیال میں جب ہر شخص کو اس حقیقت کا علم تھا کہ ہندستان میں اصل طاقت انگریز تھے سکھ نہیں تو یہ کہنا کہ معاملہ کا یہ پہلو قائدین تحریک کی نگاہ دوررس سے اوجھل رہ گیا تھا، صحیح معلوم نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس طرح انہیں عام آدمی سے بھی زیادہ سادہ لوح بلکہ صحیح تر الفاظ میں کم فہم ماننا پڑے گا،

اصل بات یہ ہے کہ غلطی نزدیکی دور کے بعض مورخین کر رہے ہیں جو اس تحریک کو صحیح رنگ میں پیش کرنے سے کتراتے ہیں، ورنہ قائدین کو صحیح صورتِ حال کا علم تھا اور انہوں نے جو کرنا تھا وہ کر کے دکھایا، تاہم مولانا مودودی صاحب کی یہ بات سو فی صد درست ہے کہ قائدین کا ہدف انگریز نہیں تھے۔

جو لوگ اس تحریک کے قائدین کو زبردستی انگریزوں کا دشمن ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، انہوں نے آج تک ان سوالات کا تسلی بخش جواب نہیں دیا ہے:

☆ یہ حضرات انگریزوں کے زیر انتظام علاقوں میں کھلے عام جہاد کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے جسے قابض حکام کی تائید حاصل تھی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے نازک وقت میں انگریز مسلمانوں میں جذبہ جہاد پیدا کرنے کے لئے اس قدر بے تاب کیوں تھے جبکہ ابھی تک انہوں نے مضبوطی سے قدم نہیں جمائے تھے اور بعد میں منسوخی جہاد کے لیے ایک "نبی" پیدا کر کے اس کی سرپرستی بھی کی؟

☆ قائدین نے اگر سکھوں سے لڑنا تھا اور بقول مولوی حسین احمد دیوبندی انگریزوں نے اس مقصد کے لیے جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید احمد صاحب کی مدد بھی کی۔ (۵) تو انہوں نے سکھوں کے دارالحکومت لاہور پر براہ راست حملہ کرنے کی بجائے صوبہ سرحد کا رخ کیوں کیا جہاں مسلمانوں کی حکومت تھی؟

☆ صوبہ سرحد پہنچنے کے بعد انہیں پیچھے سے کمک پہنچتی رہی جسے

انگریزوں کی تائید حاصل تھی نیز وہاں سکھوں سے چند جھڑپوں کے علاوہ سب کی سب لڑائیاں مسلمانوں کے خلاف کیوں لڑی گئیں؟

☆ چند انگریز پرست اور ہندو نواز افراد کو چھوڑ کر برصغیر پاک و ہند کی عظیم اکثریت نے اس تحریک کی شدید مخالف کیوں تھی؟

ناقدین کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ یہ تحریک انگریزوں کی شہ پر شروع کی گئی تھی، مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو ہندوستان سے باہر بھیج دیا جائے تاکہ پورے ملک پر قبضہ کرنے میں انگریزوں کو کم سے کم مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے، نیز ہندی مسلمانوں کو سرحدی مسلمانوں اور پنجاب کے سکھوں سے لڑا کر ان دونوں کی قوت پر کاری ضرب لگائی جائے تاکہ پنجاب اور سرحد پر بھی قبضہ کرنے میں دشواری پیش نہ آئے، تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ انگریز یہ مقصد حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے، اس کی تصدیق قائدین تحریک بالاکوٹ کے ان بیانات سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے انگریزوں کے زیر سایہ فوج کے لیے ریکروٹ بھرتی کرتے وقت دیئے تھے:

☆ ''ایک مرتبہ وہ (مولوی اسماعیل دہلوی) کلکتہ میں سکھوں پر جہاد کرنے کا وعظ فرما رہے تھے، اثنائے وعظ میں کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے، وہ بھی تو کافر ہیں، اس کے جواب میں مولوی محمد اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں اس لئے ہم پر اپنے مذہب کی رو سے یہ

بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔"(٦)

☆ مولوی اسماعیل صاحب نے یہ اعلان دے دیا تھا سرکار انگریزی پر جہاد نہ مذہبی طور پر واجب ہے نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے۔(٧)

☆ جب مہیب تحریک پھیلی تو ضلع کے حکام اس سے چوکنا ہوئے اور انھیں خوف معلوم ہوا کہ کہیں ہماری (انگریزی) سلطنت میں تو رخنہ نہ پڑے گا اور موجودہ امن میں تو کسی قسم کا خلل آکے واقع نہ ہوگا، اس نظر سے ضلع کے حکام نے حکام اعلیٰ کو لکھا، وہاں سے صاف جواب آگیا، ان سے ہرگز مزاحمت نہ کرو، ان مسلمانوں کو ہم سے کوئی لڑائی نہیں ہے، یہ سکھوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں اور حقیقت میں بات بھی یہی تھی (٨)

☆ سید احمد صاحب نے مولانا (اسماعیل) شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں، سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے لفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری میں امن میں خلل نہ پڑے، ہمیں کچھ سروکار نہیں نہ ہم ایسی تیاری کے مانع ہیں (٩)

☆ ۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب امیر خان کی ملازمت میں رہے مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خان کی صلح کرادی اور آپ ہی کے ذریعہ سے جو شر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خان کی اولاد

حکمرانی کرتی ہے، دینے طے پائے تھے لارڈ ہسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا، دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا، امیر خان، لارڈ ہسٹنگ اور سید احمد صاحب۔

سید احمد صاحب نے امیر خان کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا، آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لئے برا نہیں ہے تو تمہاری اولاد کے لئے سم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔ یہ باتیں امیر خان کی سمجھ میں آگئی تھیں اور اب وہ اس بات پر رضا مند تھا کہ گزارہ کے لئے کچھ ملک مجھے دے دیا جائے تو میں باآرام بیٹھوں (۱۰)

قائدین تحریک بالاکوٹ کے معتقدین نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ یہ حضرات انگریزوں کے خلاف ہرگز نہیں تھے، ان میں سے چند کے تاثرات پیش خدمت ہیں :

☆ مولوی محمد اسماعیل دہلوی جو قرآن وحدیث سے باخبر اور اس کے پابند تھے، اپنے ملک ہندستان میں انگریزوں سے (جن کے امن وعہد میں رہتے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے (مولوی محمد حسین بٹالوی) ۱۱

☆ نہ انھوں نے سرکار انگریزی سے کبھی جہاد کیا اور نہ ہندستان میں فتویٰ جہاد کا لکھا گورنمنٹ اگر (ان کی) ساری کتابوں کو جمع فرما کر ملاحظہ کرے گی تو کسی کتاب میں ان کتب سے مسئلہ جہاد کا یا بغاوت کا سرکار انگلشیہ سے فساد سکھانے کی کوئی بات نہ پاوے گی (نواب صدیق حسن خان بھوپالی) ۱۲

☆ وہ (مجاہدین) اپنے بال بچوں اور مال واسباب کو گورنمنٹ انگریزی کی

حفاظت میں چھوڑ گئے تھے اور ان کے مذہب میں اپنے بال بچوں کے محافظوں پر حملہ کرنا نہایت ممنوع ہے (سر سید احمد خان) ۱۳

آج اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تحریک بالاکوٹ انگریزوں کے خلاف تھی تو اسے کوئی روک نہیں سکتا لیکن حقیقت وہی ہے جو اس تحریک کے حامیوں نے بیان کی ہے اور جس کی مختصر روداد ہم نے پیش کر دی ہے۔

اس کے بعد ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مخالفین اہل سنت نے انگریزوں سے ٹکر لینے سے گریز کیا، فتویٰ جہاد پر اکابر علماء دیوبند میں سے کسی کے دستخط موجود نہیں تھے، ان کے طرز عمل سے انگریزوں کو قدم جمانے میں مدد ملی، پروفیسر محمد ایوب قادری رقم طراز ہیں:

۲۲ مئی نماز جمعہ کے بعد مولانا محمد احسن صاحب نے بریلی کی مسجد نو محلّہ میں مسلمانوں کے سامنے ایک تقریر کی اور اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلافِ قانون ہے۔،، ۱۴

مولوی مناظر احسن گیلانی نے دارالعلوم دیوبند کے بانی اور ان کے رفقاء کے متعلق واضح طور پر لکھا ہے کہ وہ جنگ آزادی شروع کرانے کی کارروائی میں ملوث نہیں تھے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

"اتنی بات بہر حال یقینی ہے اور ان ناقابل انکار چشم دید گواہیوں کا کھلا اقتضاء ہے کہ مانگو لیا سے زیادہ اس قسم کی افواہوں کی کوئی قیمت نہیں کہ غدر کے ہنگامے (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی) کے برپا کرانے میں دوسروں کے ساتھ سیدنا امام الکبیر (مولوی محمد قاسم نانوتوی) اور

آپ کے عملی و دینی رفقاء کے بھی ہاتھ تھے بلکہ واقعہ وہی ہے جو مصنف امام نے لکھا ہے کہ "مولانا فسادوں سے کوسوں دور تھے" ۱۵

• مولوی محمد عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنی تصنیف "تذکرۃ الرشید" میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علمائے دیوبند کے مجموعی کردار کا تذکرہ کیا ہے، یہ کتاب دیوبندی حلقوں میں بہت مقبول اور مستند سمجھی جاتی ہے۔ "جناب عبدالرشید ارشد نے لکھا ہے:

"میرے کانوں میں مولانا غلام رسول مہر کے باربار کہے ہوئے یہ الفاظ گونج رہے ہیں کہ "تذکرۃ الرشید" بہت عمدہ کتاب ہے، اس کو پڑھ کر بڑا دل خوش ہوتا ہے، میں نے سالک صاحب اور اپنے کئی دوسرے احباب کو یہ کتاب پڑھائی ہے، اس کتاب کو پڑھ کر مولانا رشید احمد گنگوہی کی عظمت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔" ۱۶

آیئے دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علمائے دیوبند کے کردار کو کس شکل میں پیش کیا گیا ہے، مصنف نے انگریزوں کے خلاف عوامی بغاوت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی، انھوں نے (ایسٹ انڈیا) کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحمدل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا، فوجیں باغی ہوئیں، حاکم کی نافرمان بنیں، قتل و قتال کا بازار کھولا اور جوانمردی کے غرہ میں اپنے پیروں پر خود کہاڑیاں ماریں۔" ۱۷

انگریزوں کی حکومت حال کرنے اور مجاہدین آزادی کو ٹھکانے لگانے کی خاطر علمائے دیوبند میدانِ جنگ میں کود پڑے، مجاہدین کا مردانہ وار مقابلہ کیا، ایسی ہی ایک جھڑپ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی محمد عاشق الٰہی میرٹھی رقمطراز ہیں:

"ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (محمد قاسم نانوتوی) اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب ونیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہو گیا، یہ نبرد آزما جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا، اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جان نثاری کے لئے تیار ہو گیا، اللہ رے شجاعت وجوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے جمے رہے، گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحبؒ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے" ۱۸

جنگ کے خاتمہ پر بعض بدخواہوں نے ان مطیع وفرمانبردار "خدامِ اسلام" پر بغاوت کا جھوٹا الزام لگایا جس کا ذکر صاحب تذکرۃ الرشید نے ان الفاظ میں کیا ہے:

☆جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیوں کی سرکوبی کی تو جن بزدل مفسدوں کو ماسوائے اس کے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں سے اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیر خواہ اپنے آپ کو ظاہر کریں، انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات (علماء دیوبند) پر بھی بغاوت کا الزام لگایا۔ ۱۹

☆شروع ۱۲۷۶ھ نبوی ۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) قدس سرہ پر اپنی (انگریز) سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی۔ ۲۰

"رحمدل گورنمنٹ" نے باقی تو کسی کو چھیڑنے کی ضرورت محسوس نہ کی البتہ مولوی رشید احمد گنگوہی کو حراست میں لے لیا، مقدمہ چلا، مولوی صاحب نے موقف اختیار کیا کہ:

"میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے، اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔" ۲۱

مولوی صاحب پر کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا اور وہ باعزت بری کر دیے گئے عاشق الٰہی میرٹھی نے آخر میں لکھا ہے:

"آپ حضرات (اکابر علمائے دیوبند) اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے، تازیست خیر خواہی ثابت رہے۔" ۲۲

اس کے بعد دارالعلوم دیوبند قائم ہوا جس کی انگریز پرستی پر شک کرنا

اسلام سے رخصتی مصافحہ کرنے کے مترادف ہے، چند شواہد ہدیۂ قارئین ہیں:

☆ دارالعلوم دیوبند کے آرگن ماہنامہ القاسم ۱۳۲۸ھ سے دارالعلوم دیوبند کے سالانہ جلسہ کی رپورٹ کا اقتباس:

"مسلمانوں کو ان کے مذہب میں وفاداری کی تعلیم دی گئی ہے، ادھر گورنمنٹ کے بے حد احسانات اس کو مقتضی ہیں کہ مسلمان جان و دل سے ان کا شکریہ ادا کریں اور ایک ایسے کثیر التعداد مجمع میں جس میں ملک کے اعلیٰ وادنیٰ طبقات کے مسلمان موجود ہوں، علماء کی جانب سے جن کی تعلیم کو ہر فرد مسلمان مانتا ہے وفاداری و شکر گزاری گورنمنٹ کا اعتراف و اعلان ضروری امر تھا، اول مہتمم صاحب نے اپنی مطبوعہ تقریر میں نہایت خوبی سے سامعین کے ذہن نشین کیا اور پھر اس کی تائید میں مولانا احمد حسن صاحب، مولانا عبدالحق صاحب، مولانا ظہور علی احمد صاحب نے مدلل و پر مغز تقریریں کیں اور باتفاق رائے حضور وائسرائے بہادر اور لفٹیننٹ گورنر بہادر کی خدمت میں تار دیئے گئے۔ ۲۳

☆ ضمیمہ قواعد و مقاصد الانصار دیوبند مطبوعہ ماہنامہ "الہدیٰ" لاہور رجب المرجب ۱۳۲۸ھ: جمعیۃ (الانصار دیوبند) گورنمنٹ انگلشیہ کی (جس کی ظل عاطفت میں ہم نہایت آزادی کے ساتھ مذہبی فرائض ادا کرتے ہیں اور مذہبی تعلیم کی ترقی کے لیے ہر قسم کی کوششیں کرسکتے ہیں) پوری وفادار رہے گی اور انارکسٹانہ کوششوں کے قلع و قمع میں اپنے اثر سے پورا کام لے گی ۲۴

☆ ہز ایکسیلنسی وائسرائے پر حملہ مطبوعہ "القاسم" دیوبند محرم ۱۳۳۱ھ :بد قسمتی سے ہند میں مغربی تعلیم کے ساتھ ساتھ بم بازی بھی ترقی پر ہے، گزشتہ چند دنوں میں متعدد وارداتیں ہوئیں لیکن ان سب سے زیادہ قابل نفرت، امن پسند قلوب کو ہلا دینے والا وہ حادثہ ہے جس میں ہز ایکسیلینسی لارڈ ہارڈنگ جیسے مہربان ورحمدل وائسرائے پر بوقت شاہی داخلہ دہلی ۲۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو (جو تاریخ ہند کے نئے دور کا پہلا دن تھا) کسی غیر معلوم شخص نے بم پھینکا اور ہز ایکسیلنسی وائسرائے سخت زخمی ہوئے، دارالعلوم کے اہل شوریٰ، اساتذہ، موجودہ طلبہ، پرانے طلبہ (جمعیۃ الانصار) اس صدمہ کا اثر محسوس کرتے ہیں، مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم نے دارالعلوم کے تمام دوستوں کی طرف سے اظہار ہمدردی اور غصہ ونفرت کا تار دیا جس کا جواب نہایت شکریہ آمیز الفاظ میں آیا۔

الحمد للہ کہ ہز ایکسیلنسی وائسرائے کی جان پر گزند نہیں آیا اور لیڈی ہارڈنگ محفوظ رہیں اور بفضلہ تعالیٰ حضور وائسرائے کی صحت روز بروز کامیابی کے ساتھ روبہ ترقی ہے، امید ہے کہ عنقریب ہز ایکسیلنسی بذات خود اپنی کونسل کا افتتاح دہلی میں فرمادیں گے۔ ۲۵

☆ ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء کو بروز یکشنبہ لفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے اس مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا، اس کے معائنہ کی چند سطور درج ذیل ہیں:

"جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے

وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے، جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے، یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار، ممد و معاون سرکار ہے(۲۶)

اس میں شک نہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بعض علماء دیوبند بظاہر کھل کر انگریز کے خلاف میدان جنگ میں کودے جبکہ کچھ بدستور اپنی سابقہ روش پر قائم رہے لیکن بدقسمتی سے اول الذکر "علماء" کی سرگرمیوں کا فائدہ مشرکین ہند کی نمائندہ جماعت کانگرس اور انگریزوں دونوں کو پہنچتا رہا، مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ نہ صرف ان کی خدمات سے محروم رہی بلکہ یہ حضرات ہندوؤں سے بھی زیادہ اس کی مخالفت کرتے رہے، سچ فرمایا حضرت حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے:

"قادیان اور دیوبند اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا سر چشمہ ایک ہے اور دونوں اس تحریک کی پیداوار جسے عرف عام میں وہابیت کہا جاتا ہے۔"

اس پر کہا گیا کہ دیوبند کی سیاسی روش تو انگریز دشمنی پر مبنی ہے، دیوبند کی تو یہ رائے نہیں کہ انگریزی حکومت کی اطاعت مذہباً فرض ہے جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں۔

فرمایا "انگریز دشمنی سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ہم اسلام دشمنی اختیار کر لیں، یہ کیا انگریز دشمنی ہے جس سے اسلام کو ضعف پہنچے، ارباب دیوبند کو سمجھنا چاہئے کہ اس دشمنی میں وہ نادانستہ اس راستے پر چل رہے ہیں جو انگریزوں کا تجویز

کردہ ہے، انگریز چاہتے ہیں، مسلمان جغرافی وطنیت کا اصول اختیار کر لیں تاکہ اسلام کی حیثیت ایک عقیدے سے زیادہ نہ رہے اور امت، یعنی بطور ایک سیاسی اجتماعی نظام کے اس کی وحدت ختم ہو جائے، یہ کیسے انگریز دشمنی ہے؟ یہ تو ان کے ہاتھوں میں کھیلنا ہے" ۲۷

اس طبقہ کے جو "علماء" خود ان کے بقول اس وقت بھی انگریز پرست تھے، ان میں سے مولوی اشرف علی تھانوی کے متعلق مولوی عبید اللہ سندھی کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیں:

"مولانا (عبید اللہ) سندھی' مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے علم و فضل اور ارشاد و سلوک میں انہیں جو بلند مقام حاصل ہے، اس کے تو قائل تھے لیکن تحریک آزادی ہند کے بارے میں ان کی جو معاندانہ اور انگریزی حکومت کے حق میں مؤیدانہ مستقل روش رہی، اس سے وہ بہت خفا تھے اور جب بھی موقع ملتا، اپنی خفگی کے اظہار میں کبھی تامل نہ کرتے۔" ۲۸

ان کے متضاد رویہ کا ثبوت یہ ہے کہ ایک جانب مولوی محمود حسن نے فتویٰ دیا کہ "اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے جس سے ترک موالات فرض ہے۔" ۲۹

دوسری طرف اسی دوران انگریز گورنر سر جیمس میسٹن:

"دارالعلوم (دیوبند) میں پہنچے، صدر دروازے پر مہتمم صاحبان اور اراکین مدرسہ نے استقبال کیا، دو گھنٹے تک گورنر صاحب نے دارالعلوم کی تمام عمارتوں کا معائنہ کیا۔

ظاہر ہے کہ صوبے کی سب سے بڑی حاکمانہ شخصیت کی آمد پر دار العلوم کو سجانا ناگزیر تھا، ان کی آمد اور استقبال پر اہتمام کیا گیا، جھنڈیاں بھی لگائی گئیں، کچھ فرش فروش بھی ہوا اور اس جلسے جلوس کے بعد جناب مولانا حافظ محمد احمد صاحب کو گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے ایک ماہ کے بعد شمس العلماء کا خطاب بھی مل گیا، جلسے میں شہری اور معزز حکام، ہندو مسلمان سب ہی تھے، گورنر صاحب کے ایڈریس پر ان بیرون مدرسہ کے لوگوں نے خوشی اور احترام میں حسب دستور زمانہ تالیاں بجائیں۔" ۳۰

ان دلائل سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ اس طبقہ کے "علماء" نے صرف کھل کر پاکستان کی مخالفت کی بلکہ یہ انگریزوں کے بھی ہم نوا تھے۔

کانگرسی مولویوں کے معتقدین اگرچہ زور و شور سے یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی انگریزوں کے ایجنٹ تھے لیکن حضرت حکیم اہل سنت مرحوم کی تحقیق یہ ہے کہ:

"اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کہ جن کے حوالے سے انگریز دوستی کا کوئی حوالہ نہیں ملتا بلکہ انگریزوں کے شدید مخالف نظر آتے ہیں، ان کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔"

بات وہی صحیح ہے جو حکیم اہل سنت نے فرمائی، فاضل بریلوی پر انگریز پرستی کا الزام لگانے والے آج تک کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کر سکے، ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ گاندھوی فلسفہ متحدہ قومیت کو اسلامی تعلیمات کے منافی

قرار دیتے تھے، ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مسلمان کا مسٹر گاندھی کی قیادت وامامت میں کام کرنا شرعی لحاظ سے ناجائز تھا، دراصل وہ دو قومی نظریہ کے مبلغ تھے جسے مخالفین اہل سنت انگریز کی تخلیق بتایا کرتے تھے، مولوی ابو الکلام آزاد کہا کرتے تھے :

"یہ تخیل کہ ہندوستان میں دو قومیں (مسلمان اور ہندو) آباد ہیں سرکاری دماغوں کا وضع کردہ ہے۔"۳۱

امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نے زندگی بھر کسی انگریز حاکم سے ملاقات نہیں کی۔ حکام وقت دار العلوم دیوبند کے دورے فرمایا کرتے تھے، انہیں نہ تو دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولوی حافظ محمد احمد صاحب کی طرح شمس العلماء کا خطاب ملا اور نہ ہی کوئی جاگیر، ان کے کسی فرزند یا رشتہ دار کو کوئی بڑا حکومتی عہدہ بھی نہیں ملا جس طرح کہ مولوی اشرف علی تھانوی کے بھائی کو ملا تھا، انہوں نے اپنی تحریروں میں کبھی بھی انگریز کی حمایت نہیں کی جبکہ ان کے مخالفین نے کئی بار یہ "کارنامہ" سر انجام دیا، اس کے باوجود اگر کوئی یہ اصرار کرے کہ وہ انگریز کے ایجنٹ تھے تو اسے بروز محشر اس کی جوابدہی کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

اگر کسی کو تفصیلی مطالعہ کا شوق ہو تو وہ اس موضوع پر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تصنیف "گناہ بے گناہی" جو حکیم اہل سنت کی فرمائش پر لکھی گئی تھی، کا مطالعہ کرے، ان شاء اللہ اس کے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔

تحریک خلافت کے جذباتی دور میں جب قوم پرست رہنماؤں نے مسٹر

گاندھی کو قائد و امام منتخب کر کے ہندو مسلم اتحاد کو تمام مشکلات کا واحد حل قرار دیا اور اس سوچ سے اختلاف کرنے والوں کو بغیر کسی دلیل کے انگریز کے زر خرید غلام منوانے پر اصرار کرنے لگے تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی عزت و شہرت کو داؤ پر لگا کر محض دین اسلام کی حفاظت کی خاطر فتویٰ دیا کہ یہ اقدام مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہے، قرآن و سنت کی رو سے کوئی بھی غیر مسلم مسلمانوں کا سچا خیر خواہ نہیں ہو سکتا، مشرکین ہند کو خلافت کی حالی سے کوئی دلچسپی نہیں، ایک متعصب مشرک رہنما کو تحریک خلافت جیسی خالص اسلامی موومنٹ کا سربراہ مقرر کرنا سراسر ایک غیر شرعی فعل ہے، یہ اسلام کو ہندو مت میں ضم کرنے کا ایک خوفناک منصوبہ ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی تنظیم بنائیں اور ایک مسلمان رہنما کی قیادت میں اپنی قوت کا مظاہرہ کریں اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے کمر بستہ ہو جائیں، مصور پاکستان اور بانی پاکستان کا موقف بھی یہی تھا اور بعد کے حالات و واقعات نے یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ محسنین قوم راہ راست پر تھے۔

مخالفین کی جانب سے انگریز پرستی کے الزام کا رد کرتے ہوئے فاضل بریلوی مرحوم نے تحریر فرمایا:

☆ للہ انصاف، کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کو خوش کرنے کو معاذ اللہ مسلمانوں کا تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا، ان اہل باطل نے مشرکین کے خوش کرنے کو صراحۃً کلام اللہ اور احکام اللہ کو پاؤں کے نیچے مل ڈالا، مسلمان کو خدا لگتی کہنی چاہیے، ہندوؤں کی غلامی چھڑانے کو جو فتوے اہل سنت نے دیئے،

کلام الٰہی اور احکام الٰہی بیان کیے، یہ تو ان کے دھرم میں انگریزوں کے خوش کرنے کو ہوئے، وہ جو پیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اچھی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر رونے بیٹھے ہیں، کیا اس کا رد علمائے اہل سنت نے نہ کیا، وہ کس کے خوش کرنے کو تھا کیا، بکثرت رسائل و مسائل اس کے رد میں نہ لکھے گئے حتی کہ اس کے بچے ندوے کے رد میں پچاس سے زائد رسائل شائع کیے جن میں جا بجا اس نیم نصرانیت کا بھی رد بلیغ ہے، یہ کس کے خوش کرنے کو تھا۔ ۳۲

☆اللہ تعالیٰ جل جلالہ و رسول کریم ﷺ جانتے ہیں کہ اظہار مسائل سے خادمان شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا، صرف اللہ عزوجل کی رضا اور اس کے بندوں کو اس کے احکام پہنچانا۔ وللہ الحمد، سنئے ہم کہیں واحد قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کو تباہی مسلمین کا مسئلہ نکالا ہو، نہیں نہیں بلکہ اس پر بھی جس نے حق مسئلہ نہ رضائے خدا و رسول نہ تنبیہ و آگاہی مسلمین کے لئے بتایا بلکہ اس سے خوشنودی نصاریٰ اس کا مقصود و مدعا ہو اور ساتھ یہ بھی کہہ لیجئے کہ اللہ واحد قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں ان پر جنہوں نے خوشنودی مشرکین کے لئے تباہی اسلام کے مسائل دل سے نکالے، اللہ عزوجل کے کلام و احکام تحریف و تغیر سے کایا پلٹ کر ڈالے، شعائر اسلام بند کیے، شعائر کفر پسند کیے، مشرکوں کو امام و ہادی بنایا، ان سے وداد و اتحاد منایا اور اس پر سب لیڈر مل کر کہیں آمین۔ ۳۳

مخالفین اہل سنت کہا کرتے ہیں کہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ

اللہ علیہ نے انگریز کے اشارے پر متحدہ ہندوستان کو دار الاسلام قرار دیا تھا حالانکہ وہ ایک فقہی مسئلہ تھا، انگریز پرستی سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا، شرعی نقطہ نظر سے جس ملک کو دار الحرب قرار دیا جائے، اسے دشمن سے آزاد کرانے کے لئے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، یہ ممکن نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کر کے پڑوسی اسلامی ملک میں پناہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ دار الحرب قرار دینے کے لئے جو شرائط کتب فقہ میں منقول ہیں، ان میں سے ایک اہم ترین شرط یہ ہے کہ دشمن اعلانیہ مسلمانوں کو اسلامی احکامات پر عمل درآمد کرنے سے روکیں۔

اس وقت ہندوستان کے حالات اس قدر خراب نہیں تھے کہ اسے دار الحرب قرار دیا جا سکتا، سیاسی لحاظ سے بھی ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان پُر امن جدوجہد کے ذریعے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے آزادی حاصل کرنے کے منازل طے کرتے، جہاد کے لئے جس قوت کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود تھی، اس کا اقرار خود قوم پرست مولویوں کو بھی تھا اور اسی کے پیش نظر انہوں نے گاندھوی فلسفۂ "عدم تشدد" کو کتاب و سنت سے ثابت کر کے اپنایا تھا۔ ہجرت کرنے سے درپیش مسائل حل ہونے کی قطعاً کوئی توقع نہیں تھی کیونکہ ملک کے اندر رہ کر انگریزوں پر جو دباؤ ڈالا جا سکتا تھا، وہ عدم تشدد کا نظریہ اپنا کر افغانستان میں جانے سے ممکن نہیں تھا، یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں تھی کہ انگریز نے جلد یا بدیر یہاں سے جانا تھا اور آئندہ یہاں جمہوری نظام نافذ ہونا تھا، اس لئے ہندوؤں کے جبر و تشدد سے بچنے اور اسلامی اقدار کو محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ یہی تھا کہ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ ووٹ ہوں، مسلمان ہجرت کر جاتے

تو انگریزوں کے جانے کے بعد پورے کا پورا ملک خود بخود ہندوؤں کے ہاتھ میں آجاتا۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا تھا، وہ بالکل صحیح تھا لیکن بعد میں حالات یکسر بدل گئے، جس کے باعث ہندوستان دار الاسلام بن گیا، مولانا مودودی صاحب نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہندوستان اس وقت بلا شبہ دار الحرب تھا جب انگریزی حکومت یہاں اسلامی سلطنت مٹانے کی کوشش کر رہی تھی، اس وقت مسلمانوں کا فرض تھا کہ یا تو اسلامی سلطنت کی حفاظت میں جانیں لڑاتے یا اس میں ناکام ہونے کے بعد یہاں سے ہجرت کر جاتے لیکن جب وہ مغلوب ہو گئے، انگریزی حکومت قائم ہو چکی اور مسلمانوں نے اپنے پرسنل لا پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ یہاں رہنا قبول کر لیا تو اب یہ ملک دار الحرب نہیں رہا، اس لئے کہ یہاں تمام اسلامی قوانین منسوخ نہیں کئے گئے ہیں نہ مسلمانوں کو سب احکام شریعت کے اتباع سے روکا جاتا ہے، نہ ان کو اپنی شخصی اور اپنی اجتماعی زندگی میں شریعت اسلامی کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، ایسے ملک کو دار الحرب ٹھہرانا اور ان رخصتوں کو نافذ کرنا جو محض دار الحرب کی مجبوری کو پیش نظر رکھ کر دی گئی ہیں، اصول قانون اسلامی کے قطعاً خلاف ہے اور نہایت خطرناک بھی ہے۔" ۴۳

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بدنام کرنے کے لئے دار الاسلام

کے مسئلہ کو محض ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جانے لگا ورنہ مخالفین کے اپنے علماء بھی متحدہ ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے سے ہچکچاتے تھے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے یہ موقف اختیار کیا کہ انہیں سرے سے یہ علم نہیں کہ ہندوستان دار الحرب بھی ہے یا دار الاسلام۔۳۵، مولوی محمود حسن نے خیال ظاہر کیا کہ ہندوستان دار الحرب بھی ہے اور دار الاسلام بھی۔۳۶، مولوی محمد انور شاہ نے دار الامان کا فتویٰ دیا۔(۳۷) جبکہ مولوی عبدالحیٔ لکھنوی (۳۸) مولوی اشرف علی تھانوی (۳۹) مولوی کرامت علی جونپوری خلیفہ سید احمد بریلوی (۴۰)، نواب محمد صدیق حسن خان بھوپالی (۴۱)، مولوی محمد حسین بٹالوی (۴۲)، میاں نذیر حسین دہلوی (۴۳) اور ڈپٹی نذیر احمد (۴۴) نے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح ہندوستان کو دار الاسلام قرار دیا تھا۔

دلچسپ صورت حال اس وقت پیدا ہوئی جب تقسیم ہند کے بعد ہندوؤں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی لیکن مولوی حسین احمد دیوبندی نے بھارت کو دار الاسلام قرار دیا، مولوی صاحب کے اس فتویٰ کے متعلق مولانا مودودی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں لکھا:

> "آپ نے اپنا پہلا سوال مجھ سے کرنے کے بجائے مولانا حسین احمد صاحب ہی سے کیا ہوتا تو بہتر تھا، آپ ان سے پوچھئے کہ ہندوستان کی موجودہ حکومت میں مسلمان جس درجہ شریک ہیں اور ان کے مذہبی و دینی شعائر کا جیسا کچھ احترام کیا جاتا ہے، اس سے تو بدرجہا زیادہ وہ انگریزی دور میں شریک حکومت تھے اور اس سے بہت زیادہ ان کے

شعائر مذہبی کا احترام انگریزی دور میں ہو رہا تھا، اگر کسی کو اس سے انکار ہو تو وہ انگریزی دور کے مسلم وزراء اور ایگزیکٹو کونسل کے مسلم ممبروں اور فوجی اور سول محکموں کے مسلم ملازموں کی تعداد کا موجودہ بھارتی حکومت کے ہر شعبے میں حصہ پانے والے مسلمانوں کی تعداد سے مقابلہ کر کے ہر وقت اسے قائل کیا جا سکتا ہے، رہا شعائر مذہبی کا احترام تو موجودہ ہندو اقتدار کے دور میں مساجد کی جتنی بے حرمتی ہوئی ہے، اس کا مقابلہ انگریز دور سے کر کے دیکھ لیا جائے، اس دور میں مسلمانوں کی جان و مال اور ان کی عورتوں کی عصمت پر جتنے حملے ہوئے ہیں، ان کا مقابلہ انگریزی دور کے ایسے ہی حملوں سے کر لیا جائے اور اس دور میں مسلمانوں کے پرسنل لاء کا جو حشر ہوا ہے، اس کے مقابلے میں دیکھ لیا جائے کہ ڈیڑھ سو برس کے انگریزی دور میں اس پرسنل لاء کا کیا حال رہا ہے، اب اگر "حضرت شاہ (عبدالعزیز) صاحب کی تعریف کے مطابق "موجودہ بھارت بے شبہ دارالاسلام ہے" تو انگریزی دور کا ہندوستان کیوں نہ تھا؟" (۲۵)

امام احمد رضا کی انگریز دشمنی کے کئی واقعات تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں مگر ہم بخوف طوالت انہیں نظر انداز کرتے ہوئے چند مشہور و معروف غیر جانبدار اہل قلم کے تاثرات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

☆ تحریک ترک موالات ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے شروع کی، جس کا مقصد حکومت برطانیہ سے عدم اعتماد تھا، اس میں ہندو نواز مسلم اکابرین نے

اپنے ماضی کے تجربات و مشاہدات سے قطع نظر کر کے اہل ہنود کے آگے دوستی اور محبت کا ہاتھ بڑھایا حتی کہ انھیں اپنا قائد اور رہنما تسلیم کر لیا۔

امام احمد رضا کو اس سیاسی طرز عمل سے سخت اختلاف تھا کیونکہ وہ اس کے لئے ہر گز تیار نہ تھے کہ انگریزوں کی غلامی کا طوق اتار کر ہندوؤں کی غلامی قبول کر لیتے اور اقتدار ان کے ہاتھ میں سونپ کر ان کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنا دیتے، قوم پرست مسلمانوں کو ہندوؤں کے اخلاص نیت پر یقین تھا لیکن امام احمد رضا ان کی نیتوں کو خوب سمجھتے تھے، اس لئے انھوں نے خود کو اس تحریک سے الگ رکھا لیکن اعلیٰ حضرت کے مخالفین نے اس بات کو شہرت دی کہ انھوں نے انگریزوں سے پیسہ کھا کر ترک موالات کے خلاف فتویٰ تحریر کیا جو انگریز کے ایماء سے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔ ۴۶

یہ سراسر کذب و افتراء ہے کیونکہ اتنی کثیر تعداد میں فتویٰ کی کاپیاں چھپنے اور تقسیم ہونے کے باوجود مخالفین (اس دور کی) ایک نقل بھی فراہم نہ کر سکے۔ (ڈاکٹر سید مطلوب حسین) ۴۷

☆ "ترک موالات کی تحریک جب تک زوروں پر رہی، مجھے فاضل بریلوی سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ترک موالاتیوں نے ان کے متعلق مشہور کر رکھا تھا کہ "نعوذ باللہ" وہ سرکار کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترک موالات کی مخالفت پر مامور ہیں۔۔۔ دراصل ہر دور میں کسی کو بدنام کرنے کے لئے کوئی چلتا ہوا اصطلاحی لفظ اختیار کر لیا جاتا ہے جس کے تماشے میں اپنی زندگی میں بہت دیکھ چکا ہوں۔۔ اس قسم کی خبریں خواہ ایک فی صد بھی اپنے اندر صداقت نہ رکھتی

ہوں لیکن عام لوگ کسی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ کوئی ثبوت طلب کیے بغیر ایمان لے آتے ہیں، ایسے مواقع کے لئے یہ محاورہ بنا ہے "کوا کان لے اڑا"۔

"تحریک ترک موالات میں جوش میں تحقیق کا ہوش نہ تھا، اس لئے ایسی افواہوں کو غلط سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لیکن جیسے جیسے شعور آتا گیا، مذہبی تعصب اور تنگ دلی کا رنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا گیا" (مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواری) ۴۸

☆ یہ بھی کہا جاتا کہ وہ (امام احمد رضا) انگریزوں کے حامی تھے لیکن انگریز سے آپ کو اتنی نفرت تھی کہ اپنے فتویٰ میں انگریز کی کچہری میں جانا حرام قرار دیا اور جب مقدمہ قائم ہوا تو وہ کبھی انگریز کی کچہری میں نہ گیا، اس لئے کہ انگریز کی کچہری میں جانا اس کے نزدیک حکم الٰہی کے قوانین کے خلاف تھا اور جس نے خط لکھا اور لفافے پر ٹکٹ جن پر ملکہ اور انگریز بادشاہ کی تصویر تھی، ہمیشہ الٹا لگایا تا کہ اس کا سر نیچا نظر آئے اور جس نے اپنی وفات سے دو گھنٹے قبل یہ وصیت کی کہ اس کے گھر میں جہاں کاغذ کے انبار ہیں، جتنے ڈاک میں آئے ہوئے وہ خطوط اور لفافے ہیں جس پر ملکہ اور بادشاہ کی تصویر ثبت ہو یا جتنے روپے اور سکے ہوں جن پر ان کی تصویر ہو، وہ سب نکال دیے جائیں تا کہ فرشتہ ہائے رحمت کو آنے میں دشواری نہ ہو، ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ انگریزوں کے حامی تھے، یہ ایسی بات ہے کہ کوئی منکسر المزاج اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ (مولانا کوثر نیازی) (۴۹)

☆ مولانا احمد رضا نہ کبھی انگریزوں کی حکومت سے وابستہ رہے، نہ ان کی حمایت میں کبھی فتویٰ دیا نہ کبھی اس بات کا کسی طور اظہار کیا، کم از کم میری نظر سے

ان کی کوئی ایسی تحریر یا تقریر نہیں گزری، اگر ایسی کوئی بات سامنے آتی تو اس کا ضرور ذکر کرتا، اس لئے کہ نہ میرا ان کے مسلک سے تعلق ہے نہ ان کے خانوادے سے، لہذا شاہ احمد رضا خان کو علماء سوء کے زمرے میں شامل کرنا سراسر بہتان اور تہمت ہے۔ (ادیب ونقاد جناب شوکت صدیقی)۔۵۰

ان دلائل سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ خوف خدا سے بے نیاز جن لوگوں نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بدنام کرنے کی مہم میں حصہ لیا تھا اور اب بھی لے رہے ہیں، وہ یقیناً غلطی پر تھے اور ہیں اور حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تجزیہ بالکل درست ہے۔

قیام پاکستان کے بعد وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا جو یہاں کے مسلمانوں نے دیکھا تھا، فوائد مخالفین تحریک پاکستان نے حاصل کئے اور جدوجہد کرنے والے محروم رہے، قبلہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

"ان سب قربانیوں کے بعد جب میں دیکھتا ہوں، اس ۱۴ راگست کو یوم آزادی کی صبح میں اپنے دروازے پر کھڑا ہوا اپنی تسبیح گھمارہا تھا، میں سوچ رہا تھا کہ یہاں (لاہور) سے پندرہ میل سرحد ہے اور وہاں سے ۱۰ میل دور ہمارا وطن امرتسر ہے، آج ہم اپنے وطن نہیں جا سکتے، اسے دیکھ نہیں سکتے، اپنے بزرگوں کی قبروں پر فاتحہ نہیں پڑھ سکتے، آخر کیوں؟ اس لئے کہ ہم ایک ملک اسلام کے لیے بنانا چاہتے تھے مگر آج میں دیکھتا ہوں کہ یہ تو زناخانہ بنا ہوا ہے، میری آنکھوں

سے آنسو جاری ہو گئے، آپ چھوٹے ہیں آپ کو نہیں معلوم، باتیں کرنا بڑی آسان ہیں، آپ لوگوں کو اندازہ نہیں کہ لوگ کیا کچھ قربان کر کے پاکستان آئے، اس شیخ صادق حسن جو کہ امرتسر کے بہت بڑے امیر کبیر مسلمان رہنما تھے، وہ تقسیم ملک سے پہلے کروڑ پتی تھا، مشرقی پنجاب کا ایک ہی مسلمان تھا جس کی چار ملیں تھیں، آج آپ ان کی اولاد کو پاکستان میں تلاش کر کے بتائیں، ان کا سب کچھ پاکستان کے لیے قربان ہو گیا، آپ کے کراچی کے نصر اللہ خان ہیں، ان سے جا کر پوچھیں، وہ آپ کو بتائیں گے کہ شیخ صادق حسن کیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ پاکستان دشمنوں کے لئے بنا ہے، اس کے بنانے والوں کی اولادوں کا بھی پتہ نہیں چلتا۔"۵۱

ایسا کیوں ہوا؟ یہ بھی حکیم صاحب ہی کی زبانی سنئے :

"میں سمجھتا ہوں، اس صورت حال کے اصل ذمہ دار یہاں کے حکمران ہیں، آپ دیکھیں کہ ہندوستان میں ایک کانگری مرتا ہے تو اس سے اچھا کانگریسی پیدا ہو جاتا ہے، جب پاکستان بنتا نظر آیا تو انگریزوں کے مراعات یافتگان خان بہادر، سرداروں نے راتوں رات مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی، ان لوگوں نے پاکستان کے لئے قربانی نہیں دی، جب ملک بن گیا تو اس کے منصبوں پر فائز ہو گئے اور آج تک قبضہ جمائے ہوئے ہیں، میاں ممتاز احمد خان دولتانہ ایسے لوگوں نے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت اپنے سیاسی مقاصد

کے لئے چلوائی، بعد میں (تحریک پاکستان کے ممتاز راہنما) مولانا ابوالحسنات قادری صاحب وغیرہ کو دھوکا دے کر خود الگ ہو گئے"۔ ۵۲

ان مراعات یافتہ لوگوں کے وسیلے سے ہندوؤں اور انگریزوں کے منظور نظر مذہبی راہنماؤں کے عقیدت مند بھی کلیدی عہدوں پر قابض ہو گئے:

حکیم اہل سنت نے فرمایا:

کہ پاکستان میں اس وقت اہل سنت کا ایمان خطرے میں ہے، اس کی نشاندہی پاکستان بننے کے فوراً بعد تحریک پاکستان کے راہنما محدث اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولانا عبد الستار خان نیازی سے گفتگو کرتے ہوئے کر دی تھی، واقعہ کی تفصیل بتاتے ہوئے حضرت حکیم صاحب نے بتایا کہ حضرت محدث کچھوچھوی کے ایک مرید خاص چودھری خورشید عالم اشرفی امرتسری تھے، پاکستان بننے سے پہلے حضرت محدث کچھوچھوی جب امرتسر تشریف لاتے تو انہی کے ہاں قیام کرتے تھے، پاکستان بننے کے بعد چوہدری خورشید عالم چشتیہ ہائی سکول میں ٹیچر تھے، انہوں نے خود مجھے بتایا کہ ان کے ہاں حضرت محدث کچھوچھوی قیام فرماتے تھے، ان سے مولانا نیازی ملنے کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت محدث کچھوچھوی نے باوجود اس کے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے روح رواں تھے، قائداعظم کے دست راست اور تحریک پاکستان کے زبردست حامی تھے، پاکستان کی مذہبی صورت حال دیکھ کر انہوں نے مولانا نیازی سے فرمایا کہ اس وقت انڈیا میں ہمیں جان کا خطرہ ہے مگر ایمان محفوظ

ہے ، پاکستان میں اہل سنت کے دشمن اوپر آگئے ہیں اور یہ مت پاکستان پر مسلط ہو گئے ہیں، اس لئے یہاں پر سنیوں کو ایمان کا خطرہ ہے، حضرت حکیم صاحب نے بتایا کہ محدث صاحب نے مولانا نیازی سے فرمایا کہ نیازی صاحب، ان سنی دشمن لوگوں کے مت توڑ دو ورنہ تم خود پاش پاش ہو جاؤ گے۔ ۵۳

اہل سنت کے رہنماؤں نے اس تنبیہ کا یا تو سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا یا پھر ناموافق حالات کے باعث وہ سنبھل نہ سکے، قیام پاکستان کے بعد ان کی اپنی کوئی تنظیم نہیں تھی، آل انڈیا سنی کانفرنس کا خاتمہ ہو چکا تھا، سنی علماء و مشائخ میں سے کچھ تو مسلم لیگ میں شامل تھے اور بعض جمعیت علماء اسلام میں، حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوششوں سے ۱۹۴۸ء میں جمعیت علماء پاکستان کا قیام عمل میں آیا جس نے ۱۹۷۰ء میں پہلی بار انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا، مغربی پاکستان میں یہ جماعت ووٹ حاصل کرنے کے لحاظ سے پیپلز پارٹی کے بعد دوسرے نمبر پر آئی لیکن بعد میں ہر حاکم وقت نے اسے کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی، اب بھی اگرچہ صوبہ پنجاب اور سندھ میں اس کا ووٹ بنک موجود ہے لیکن کئی دھڑوں میں تقسیم ہونے کی وجہ سے اس کے برسر اقتدار آنے کے امکانات دور دور تک نظر نہیں آتے، المختصر یہ کہ نہ تو حکمرانوں نے سنیوں کو ایک پلیٹ فارم جمع ہونے دیا اور نہ سنی اکابرین کو یہ احساس ہے کہ ان کی مشکلات کا واحد حل ان کے باہمی اتحاد و اتفاق میں ہے نہ کہ بکھرے رہنے میں۔

سنیوں کی اس ناگفتہ بہ حالت کے پیش نظر حضرت حکیم اہل سنت رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتدائی قدم کے طور پر امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جلیل القدر خدمات کو منظر عام پر لانے کا فیصلہ کیا، مرکزی مجلس رضا لاہور قائم کی اور ۱۹۶۸ء میں پہلا یوم رضا کا جلسہ لاہور میں منعقد کیا، اس وقت کی صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے حکیم صاحب مرحوم نے فرمایا:

"اس پہلے جلسہ کے موقع پر مقررین کے پاس اعلیٰ حضرت کے بارے میں کہنے کے لئے مواد کی کمی تھی، مولانا عبد الستار نیازی صاحب کو میں نے اعلیٰ حضرت کی کتاب "حرمت سجدہ تعظیمی" اور مقال العرفاء" پڑھنے کے لئے دیں، اعلیٰ حضرت کے علمی حوالے سے مجھے علی گڑھ کے مولانا مقتدا خان شیروانی سے خاصی مدد ملی، انہوں نے میری رہنمائی اعلیٰ حضرت سے کسی تعلق کی بنا پر نہیں کی وہ تو سر سید احمد خان کے ساتھیوں میں سے تھے، انہوں نے بڑی عمر پائی، میری ان سے پہلے سے خط و کتابت تھی، غالباً پروفیسر ایوب قادری نے ان سے مجھے متعارف کروایا تھا، چنانچہ مولانا شیروانی نے مجھے اعلیٰ حضرت کی کتاب "المحجة المؤتمنة" بھیج دی، یہ کتاب ہمارے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی، اس وقت پورے پاکستان میں یہ کتاب نہیں تھی، اس کے بعد مولانا شیروانی نے مولانا سلمان اشرف صاحب کی کتاب "النور" بھیج دی، وہ بھی اس طرح کہ آدھی ایک بار اور آدھی دوسری بار، تو ہم نے ان دو کتابوں میں سے اعلیٰ حضرت کے دو قومی نظریے کے بارے میں نظریات کو پیش کیا، اس طرح پہلی

مرتبہ مرکزی مجلس رضا اعلیٰ حضرت کی تحریروں سے ان کے دو قومی نظریئے سے اتفاق کو منظر عام پر لائی، مولانا مقتدا خان چونکہ کانگریس کے مخالف تھے لہٰذا انہوں نے کانگریس دشمنی میں ہماری یہ مدد کی، "المحجة المؤتمنة" اعلیٰ حضرت کے آخری دور کی تصنیف ہے، ہم نے اس کتاب کی نقلیں یہاں علمی حلقوں میں پڑھوائیں اور کتابچہ شائع کیا"۔ ۵۴

حکیم صاحب نے مزید فرمایا:

میرے دو دوست جو پکے دیوبندی تھے، انہوں نے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور وہ لوگ جو تھے تو سُنّی بریلوی مگر انداز گول مول تھا، ان کو پکا ریلوی بننا پڑا۔ مثلاً مولانا عبدالستار خان نیازی مجلس (رضا) کے کام کے بعد پکے سنی بن گئے، ہمارے دوست مرحوم پروفیسر ایوب قادری جو کہ تھے تو ہمارے ہی مگر ان پر دیوبندیوں نے قبضہ کر رکھا تھا، ان سے بھی ہم نے بہت لکھوایا، ایک دو بار یوم رضا کے موقع پر لاہور میں تھے تو جلسہ میں بھی آکر بیٹھے۔ ہم "انوار رضا" کے لئے مختلف اہل قلم سے رابطہ کر کے اعلیٰ حضرت پر مقالات لکھوا کر چھاپتے تھے، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب بھی اس طرح ہمارے رابطہ میں آئے، مسعود صاحب سے میرا رابطہ پروفیسر ایوب قادری نے کرایا تھا، ان کے ذریعے مسعود صاحب کی ایک کتاب جو کہ شاہ محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر تھی مجھ تک پہنچی۔

"انوار رضا" کے لئے جب مسعود صاحب سے خط و کتابت ہوئی تو انہوں نے "اعلیٰ حضرت اور تحریک ترک موالات" کے عنوان سے مقالہ لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا، ہم نے کہا آپ لکھیں، جب ان کا مسودہ مجھے ملا تو میں نے دیکھا کہ بہت ہی عمدہ تحریر تھی، ایسی اردو لکھنے والے ہمارے ہاں کم ہوں گے، ہم نے چھاپا اور یہ کتاب بار بار چھپی اور اس کا خاصا اثر ہوا۔ ۵۵

۱۹۶۸ء کے پہلے یوم رضا کے جلسہ میں حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مقالہ "مولانا شاہ احمد رضا خان اور ان کے رفقاء کی سیاسی بصیرت" کے عنوان سے پیش کیا تھا جس میں انہوں نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے چند ساتھیوں کی سیاسی خدمات کا اجمالی تذکرہ کیا ہے اور محققین کو دعوت دی ہے کہ وہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں کیونکہ اس جانب ابھی تک بہت کم توجہ دی گئی ہے اور کام کرنے والوں کے لئے اس میدان میں جوہر دکھانے کے کئی مواقع موجود ہیں۔

حکیم صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

"برعظیم میں تحریک آزادی کی تاریخ اور مسلمانانِ پاک و ہند کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ میں دلچسپی لینے والے فضلاء اور طلبہ کے لئے اس گوشے میں ایک اہم خزانہ ابھی تک محفوظ ہے جسے تاحال منظر عام پر لانے کی طرف کماحقہ توجہ نہیں کی گئی"۔ ۵۶

(مقالہ کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر اسے آخر میں شائع کیا جا رہا ہے)

اس مقالہ میں حکیم صاحب نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ایک خلیفہ مولانا سید سلیمان اشرف کی تالیف "النور" سے ایک اقتباس درج کیا ہے جس میں ہندوؤں کی روایتی مسلم دشمنی اور گائے کی قربانی کے مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس اقتباس میں ہندوؤں کی جانب سے علماء کرام کی خدمت مین جو استفتا بھیجا گیا تھا، اس کی یہ عبارت بھی شامل ہے:

"موقع بقر عید پر گائے کی قربانی جبکہ موجب فتنہ وفساد ہے اور امن عامہ میں اس کی وجہ سے خلل آتا ہے، اگر مسلمان گائے کی قربانی موقوف کردیں تو کیا مضائقہ ہے؟" ۵۷

استفتاء کے ان نرم الفاظ کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہندو ذبیحہ گاؤ کے سلسلہ میں کسی قسم کی کوئی رعایت دینے پر آمادہ تھے، اس سلسلہ میں ہندو راہنماؤں کے چند بیانات ملاحظہ فرمائیں:

☆ ہم ہندوستان کو آزاد کرانے میں صرف اسی کی مدد کریں گے جو گئو رکھشا کے انتظام کی ذمہ داری لے، ہندو سکھ اس امر کا عہد کریں کہ وہ صرف اسی کو ووٹ دیں گے جو گئو رکھشا کو سب سے اول رو کے گا۔ (مہاشے خورسند ایڈیٹر ملاپ لاہور) ۵۸

☆ جب قانون سازی کی قوت ہمارے ہاتھ میں آئے گی تو ہم فوراً یہ طے کردیں گے کہ ہندوستان کے اندر گائے کی قربانی نہ ہو۔ (پنڈت سیتدیو) ۵۹

☆ گائے کی حفاظت دنیا کے لئے ہندوازم کا تحفہ ہے اور ہندوازم اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک گائے کی حفاظت کرنے والے ہندو موجود رہیں

گے اور اس کی حفاظت کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے جان قربان کر دی جائے۔ (مسٹر گاندھی) ۶۰

قوم پرست مولوی ہندوؤں کی چال کو نہ سمجھ سکے اور محض ہندو مسلم اتحاد برقرار رکھنے کی خاطر مسلمانوں کو یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کرنے لگے کہ :

''ہندو بھائی گائے کی مذہبی حیثیت سے عزت کرتے ہیں، اس لئے قدرتاً ان کو گاؤ کشی سے تکلیف ہوتی ہے اور وہ دل سے چاہتے ہیں کہ مسلمان اس کو ترک کر دیں۔۔۔۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی شریعت نے ہمیں اس کے کھانے پر مجبور نہیں کیا ہے اور یہ نہیں بتلایا کہ گاؤ نہ کھانے سے ہم مسلمان نہیں رہیں گے اور جب ایسا ہے کہ گائے کا گوشت کھانا ہمارے لئے جائز اور ہماری مرضی پر منحصر ہے تو پھر اگر گائے کے گوشت کے جائے دوسرا گوشت استعمال کریں تو ہمارے لئے کوئی مذہبی ممانعت نہیں ہے۔ (مولوی محمد صادق) ۶۱

☆میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مساجد کے سامنے ہندوؤں کا باجہ بجانا مسلمانوں کے مذہبی حقوق میں کس طرح دخل اندازی کا موجب ہو سکتا ہے نیز یہ بھی کہ اگر مسلمان ہندوؤں کے جذبات کی خاطر گائے کی قربانی بند کر دیں تو ان کا یہ طرز عمل اسلام کو کیا نقصان پہنچائے گا۔ (مولوی عبد السلام) ۶۲

☆ہندوستان کے مسلمان گائے کے جائے بھیڑ بکری کی قربانی کیا کریں (قرارداد جمعیۃ العلماء ہند) ۶۳

امام احمد رضا فاضل بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء و مشائخ ہندوؤں

اور ہندو نواز علماء کے اس موقف سے متفق نہیں تھے، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ :

☆ انصاف کا فیصلہ یہی ہے کہ اپنے معتقدات کی رعایت خود صاحب عقیدہ کو چاہیے۔ دوسرے مذاہب سے اپنے معتقدات و خواہشات کا مطالبہ اس حد تک کیجئے جہاں تک دوسرے اہل مذہب کے دین اور معاشرت میں خلل اور تکلیف نہ واقع ہو، اس سے زیادہ طلب کرنا ہٹ دھرمی اور زبردستی ہے۔ (مولانا محمد سلیمان اشرف) ۶۴

☆ مستحب جب نہ صرف مٹایا جا رہا ہو بلکہ اسے حرام قرار دیا جا رہا ہو تو اس کا تحفظ ضروری ہو جاتا ہے، ایسے عالم میں مستحب، مستحب نہیں رہتا بلکہ واجب ہو جاتا ہے۔ (مولانا ابوالبرکات سید احمد) ۶۵

☆ ہمارے مذہب کی رو سے شعائر اللہ کو دنیاوی وجاہت یا نفع کے عوض میں بیع کر دینا ہرگز جائز نہیں، قرآن پاک میں اس کی جا بجا تہدید آئی ہے اور ایسا کرنے والوں کے لئے نہایت سخت وعیدیں مذکور ہیں، ایسی حالت میں یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ گائے کی قربانی سے جو بجوائے والبدن جعلنٰها من شعائر الله، ہمارا مذہبی حق ہونے کے علاوہ شعائر دین سے ہے، ہم اس بناء پر دست بردار نہیں ہو سکتے کہ اس کے عوض میں ہنود ہم سے خوش ہو کر ہمارے بہت سے سیاسی مطالبات کو تسلیم کر لیں گے یا کسی خاص مسئلہ میں ہمارا ساتھ دیں گے۔ (مکتوب مولانا عبدالقدیر بدایونی بنام مسٹر گاندھی) ۶۶

☆ یہ خیال کہ محض ہنود کی خوشی حاصل کرنے کے لئے اس (گائے) کی قربانی کا ترک مقصود ہے اور کسی کی خوشی حاصل کرنا تو کوئی جرم نہیں، تو اول تو

حق تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلے میں کسی کی رضا کی طلب خود ہی حرام ہے، دوسرے وہ محض احتمالات سے کہ آپ ذبیحہ گاؤ کو ترک کردیں، پوری طرح خوش بھی نہیں ہو سکتے کہ حقیقت میں ان کو صرف گائے کی قربانی کا ترک مطلوب نہیں بلکہ ایک بہت بڑی مہتم بالشان قربانی مطلوب ہے یعنی "ایمان" کی قربانی، بقولہ تعالیٰ ﴿ ودوا لو تکفرون ﴾ یعنی ان کی خوشی تو اس میں ہے کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔ (مفتی اعظم ہند حضرت شاہ مظہر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ٦٧

☆ فی الواقع گاؤ کشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری مبارک کتاب کلام مجید رب الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے، اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہو۔ (امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ) ٦٨

یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذبیحہ گاؤ کے متعلق یہ سب حوالے مولانا زین الدین ڈیروی فاضل انوار العلوم ملتان کے مقالہ "تحریک انسداد گاؤ کشی اور امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" سے ماخوذ ہیں جو حکیم اہل سنت کے ایماء پر لکھا گیا تھا اور ان ہی کے حکم پر ماہنامہ "القول السدید" لاہور دسمبر ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا تھا، ۷۳ صفحات کا یہ مقالہ اگر کتابی شکل میں شائع ہو جائے تو اس سے کئی شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

حکیم اہل سنت نے اپنے مقالہ میں تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران مسٹر گاندھی کی نقاب پوش سیاست، قوم پرست مولویوں کے غیر ذمہ دارانہ اقدامات کے باعث دین اسلام کو پہنچنے والے نقصانات اور اس سلسلہ میں

فاضل بریلوی اوران کے رفقاء کے موقف کا اجمالی تذکرہ کیا ہے، چند اقتباسات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

☆بیسویں صدی کے آغاز تک، بر عظیم پاک وہند کے مطلع سیاست پر ہندو لیڈروں کا اثر ورسوخ آفتاب درخشاں بن کر چمک رہا تھا، گاندھی کی نقاب پوش سیاست نے ہندو مسلم اتحاد کے پردے میں مسلمانوں کو سیاسی، دینی اور تہذیبی اعتبار سے قلاش کر کے رکھ دینے کے جو منصوبے تیار کئے تھے، بہت کم زعماء ان کے مضمرات سے بروقت آگاہ ہو سکے تھے تاہم علمائے دین کے بعض حلقوں میں اس پر شدید اضطراب محسوس کیا جانے لگا، اگرچہ دوسری طرف بھی علماء ہی کی ایک کثیر تعداد تھی جو اپنے مدارس ومکاتب اور تبلیغی اداروں کی تمام تر قوتوں سمیت ہندو لیڈروں کی دعوت پر لبیک کہہ رہی تھی اور ہندو مسلم اتحاد کی لے میں اپنے دینی وملی شعائر کے معاملہ میں بھی کمزوری دکھائی جارہی تھی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ علماء ہی کی صفوں میں ایسے مردانِ حق موجود تھے جنہوں نے اس طاغوت کے سر پر ضرب کاری لگائی، اس سلسلے میں علمائے بریلی، حضرت مولانا احمد رضا خان قدس سرہ العزیز اور ان کے بعض رفقاء مثلاً مولانا سید سلیمان اشرف اور مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی خدمات بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ ۶۹

☆حضرت مولانا احمد رضا خان قدس سرہ نے اس زمانے میں اپنی معرکۃ الآراء کتاب "المحجۃ المؤتمنۃ" تالیف فرمائی تھی، اس کا حسب ذیل اقتباس یہ ظاہر کرے گا کہ بعض مسلمان زعماء ہندو مسلم اتحاد کے پردے میں دراصل

ہندو تہذیب کی غلامی کے راستے پر گامزن ہو چکے تھے۔

"جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری، پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری؟ وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں، تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے، گندی ہو جائے، سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں، پیسے لیں تو دور سے یا پنکھا وغیرہ پیش کر کے اس پر رکھوالیں، حالانکہ بحکم قرآن خود وہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ جو تمہارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے۔ وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا، محبت مشرکین نے اندھا، بہرا کر دیا۔ ان باتوں کا ان سے کیا کہنا جن پر "حبك الشئ يعمي و يصم" کا رنگ بھر گیا۔ سب جانے دو، خدا کو منہ دکھانا ہے یا ہمیشہ مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے، جواز تھا تو یوں کہ کوئی کافر۔۔ مثلاً اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں، نجس بت پرستوں کو مسلمانوں کا واعظ بنا کر مسجد میں لے جاؤ؟ اسے مسندِ مصطفیٰ ﷺ پر بٹھاؤ؟ مسلمانوں کو نیچے کھڑا کر کے اس کا وعظ سناؤ، کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمہیں مل سکتی ہے؟ حاشا ثم حاشا للہ انصاف! کیا یہ اللہ ورسول سے آگے بڑھنا، شرع مطہر پر افتراء گڑھنا، احکام الٰہی دانستہ بدلنا، سؤر کو بکری بنا کر نگلنا نہ ہوگا؟" ۷۰

☆ فاضل بریلوی کے بیان فرمودہ حقائق کی ایک جھلک میرے بہت سے بزرگوں اور دوستوں نے اس وقت دیکھی جبکہ گروہ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین امرتسر میں لا کر منبر رسول پر بٹھایا اور خود اس کے

قدموں میں بیٹھے اور یہ دعا کی گئی کہ "اے اللہ! تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرما"۔ (معاذ اللہ)

بات یہاں تک ہی نہیں رہی تھی، اس وقت کے ایک جید عالم نے یہ کہہ دیا۔

عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت
رفتی و نثار بت پرستے کردی

ایک بہت بڑے لیڈر نے یہ گوہر افشانی فرمائی کہ

"زبانی بے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کروگے تو خدا کو راضی کروگے۔"

بھائیو! خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو، اگر ہم اس رسی کو مضبوط پکڑ لیں گے تو چاہے دین ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے مگر دنیا ہمیں ضرور ملے گی"۔

ایک جلسہ میں یہ کہا گیا:

"اے اللہ! ہم سے ایک نیک کام ہوگیا ہے کہ میں اور مہاتما گاندھی یقینی بھائی ہوگئے ہیں۔" (النور ۲۲۶۔ ۲۲۷)

اس خوفناک سازش کے خلاف سب سے پہلے جس نے صدائے احتجاج بلند کی وہ فاضل بریلوی کی ذات گرامی اور ان کے خلفاء تھے۔ مسٹر گاندھی نے علماء پر جو فسوں کر دیا تھا، حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کو اس کے قلق کا اندازہ صرف اس واقعے سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی وفات حسرت آیات کے وقت جو وصایا ارشاد فرمائے، ان میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ گاندھی کے

پیروکاروں سے بچو، یہ سب بھیڑیے ہیں، تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں، ان کے حملوں سے اپنے ایمان کو بچاؤ۔ ۱ے

☆ مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ العزیز، حضرت مولانا احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ کے ارشد خلفاء میں سے تھے، انہوں نے بھی ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ "حالات حاضرہ" کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر فرمایا تھا جس میں ترکوں کی سلطنت کے مبتلائے مشکلات ہونے اور اس کے ساتھ بر عظیم کے مسلمانوں میں درد و کرب کی ایک لہر پیدا ہو جانے کو پس منظر میں رکھتے ہوئے ایک دردمند اور بالغ نظر مبصر کی طرح حالات کا جائزہ لیا ہے اور مسلمان لیڈروں کو ان کی غلط روش پر متنبہ کیا ہے۔ ۲ے

اب حکیم اہل سنت کی تحریر سے ماخوذ درج بالا اقتباسات کی مختصر تشریح و توضیح ملاحظہ فرمائیں:

تحریک خلافت کے دوران مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا، وہ واحد ہندو لیڈر تھا جس نے علی الاعلان مسئلہ خلافت سے کمال درجہ عقیدت اور دلی وابستگی کا اظہار کیا، ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا اور اپنے ہم مذہبوں کو بھی یہی رویہ اپنانے کی پر زور تلقین کی لیکن یہ تصویر کا ایک رخ تھا، اس کے اصل عزائم کچھ اور تھے، در حقیقت وہ تمام مذاہب پر اسلام کی برتری کے نظریے کو ذہنوں سے محو کرنے مسلمانوں کی انفرادیت ختم کرنے اور ان کی مدد سے ایک ہندو ریاست قائم کرنے کا خواہشمند تھا، اگرچہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا لیکن مسلمانوں میں

افتراق وانتشار پیدا کرنے اور کئی مسلم رہنماؤں کو اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہوا۔

ہندو اپنی روایتی تنگ نظری اور اسلام دشمن سوچ کی وجہ سے تحریک خلافت کے ساتھ ہمدردی دکھانے کے لئے آمادہ نظر نہیں آرہے تھے جبکہ مسٹر گاندھی کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مسلمانوں کو اسلامی افکار و نظریات سے برگشتہ کرنے اور انہیں گاندھوی فلسفہ کو برحق ماننے کے لیے راغب کرنے کا یہ بہترین موقع تھا جسے وہ کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے ہندوؤں کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کی خاطر تحریک ترک موالات شروع کرنے کا اعلان کر دیا، مسٹر گاندھی نے اپنے ہم مذہبوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ تحریک خلافت کی غیر مشروط حمایت ہی گئو رکھشا اور تحریک ترک موالات کا مقصد ایک سال میں سوراج حاصل کرنا ہے، در پردہ ہندوؤں کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ مسئلہ خلافت کی حمایت محض زبانی جمع خرچ تک محدود ہوگی، اصل مقصد تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنا اور انہیں قربانی کا بکرا بنا کر ہندو راج قائم کرنے کی راہ ہموار کرنی ہے اور ساتھ ہی وسیع پیمانے پر یہ پروپیگنڈہ بھی کیا گیا کہ تمام ہندوستانی باشندوں کا یک جان و دو قالب بن کر انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا تمام مذاہب کے نزدیک فرض عین ہے اور جو بھی مسلمانوں کو علیحدہ قوم بتا کر اس اتحاد میں روڑے اٹکانے کی جسارت کرے وہ انگریز کا پٹھو اور ایجنٹ ہوگا۔ اس طرح اس بے جوڑ، غیر فطری اور غیر شرعی اتحاد کے بل بوتے پر مسٹر گاندھی قوم پرست مسلمانوں اور ہندوؤں کی متفقہ رائے سے ایک اسلامی تحریک، تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات دونوں کا صدر منتخب ہوا۔

مولوی حسین احمد دیوبندی کے صاحبزادے مولوی محمد اسعد کے بیان کے مطابق مسٹر گاندھی کو قائد وامام بنانے کی تجویز مولوی محمود حسن نے پیش کی تھی۔ ۷۳

منتخب قائد چونکہ اس وقت بالکل غیر معروف تھا، اس لئے قومی سطح پر اسے متعارف اور "مہاتما" کے عہدہ پر فائز کرانے نیز مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت بٹھانے کی خاطر ملک گیر دوروں اور کثیر رقم کی ضرورت تھی، اس مقصد کے لئے خلافت کے سرمایہ کا بے دریغ استعمال کیا گیا حتیٰ کہ کانگریس کی نشو ونما کے لئے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کا فیصلہ ہوا تو اس مقصد کے لئے مسٹر گاندھی کے دوروں کے مصارف بھی مجلس خلافت نے ادا کیے۔ (۷۴)، اس دوران یہ قائد اگرچہ علی الاعلان کہتا پھرتا تھا کہ "مورتی پوجا پر میرا ایمان ہے" (۷۵) لیکن خلافتی مولویوں کا اصرار تھا کہ:

☆ گاندھی جی توحید کی حد تک تو مسلمان تھے اور خدائے واحد ہی کو خالق، کارساز اور حکمران سمجھتے تھے، اصل اشتباہ و مغالطہ انہیں مسئلہ وحی میں رہا۔ ۷۶

☆ مسٹر گاندی نے قرآن پاک بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھا ہے، مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کی حقانیت کا قائل ہو چکا ہے لیکن اس کے دل کا غرور اسے یہ اعلان کرنے سے روکے ہوئے ہے۔ ۷۷

☆ مہاتما گاندھی سچے خدا کی پرستش کرتے اور حق پر جان دیتے ہیں۔ ۷۸

کانگریس کے حامی "علماء" نے ہندو مسلم اتحاد (۷۹) اور ہندو نہیں بلکہ

صرف انگریزوں سے ترک موالات کے فتوے دیئے۔ (۸۰)، مؤخر الذکر فتوے میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ ایسے تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کریں جو گورنمنٹ سے امداد لیتے ہوں، اس موقع پر مسٹر گاندھی نے خود سامنے آنے کے بجائے قوم پرست راہنماؤں کو آگے کر دیا اور جہاں ضرورت محسوس ہوتی، خود بھی پہنچ جاتے، پہلا حملہ علی گڑھ یونیورسٹی پر کیا گیا، ابوالکلام آزاد اور علی برادران نے طلبہ کو تعلیمی بائیکاٹ کرنے کا مشورہ دیا، وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین نے سلطنت عثمانیہ اور مقدس مقامات کی حفاظت کی پر زور تائید کی لیکن مسلمان طلبہ کو تعلیم حاصل کرنے سے روکنے کی سخت مخالفت کی، آخری کوشش کے طور پر مسٹر گاندھی نے بھی بہ نفس نفیس ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی لیکن وہ بھی انہیں قائل کرانے میں ناکام رہے۔ (۸۱)، اس طرح علی گڑھ یونیورسٹی اگرچہ تر نوالہ ثابت نہ ہوا لیکن جن طلبہ کو گمراہ کر لیا گیا، انہیں متحدہ قومیت کا سبق پڑھانے اور بقول مسٹر گاندھی سچا ہندوستانی بنانے کے لئے جامعہ ملیہ کی بنیاد رکھی گئی اور اس ''مبارک'' کام کے افتتاحی جلسہ کی صدارت کے لئے مولوی محمود حسن، جو بستر مرگ پر پڑے تھے، خود تشریف لے گئے۔ ۸۲

مسٹر گاندھی اور خلافتی لیڈروں نے مسلمانوں کی ایک اور تعلیمی درس گاہ یعنی اسلامیہ کالج لاہور کو اپنا نشانہ بنایا، داتا نگری کا یہ مشہور زمانہ کالج علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذاتی کوششوں کے باعث تباہی سے بچا، مصور پاکستان ''علامہ اقبال ایک علم دوست انسان تھے، پھر انہیں اپنے صوبے کے مسلمانوں کی تعلیمی پستی کا حد درجہ قلق تھا، وہ جانتے تھے کہ وقتی طوفان کے اس دھارے سے

اسلامیہ کالج کو نہ چلایا گیا تو مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو بڑا دھکا لگے گا اور یوں بھی وہ اصولی طور پر تحریک (ترک موالات) کے موافق نہیں تھے۔(۸۳)، یہی وجہ ہے کہ اسلامیہ کالج کو انھوں نے اس تحریک میں سرگرمی سے شامل نہ ہونے دیا۔"۸۴

جہاں تک ہندوؤں کی بنارس یونیورسٹی، کالجوں اور اسکولوں کا تعلق ہے تو اگرچہ بظاہر مسٹر گاندھی اور ان کے بعض ہم مذہب راہنما بھی پبلک میں یہی پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ تحریک ترک موالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہندو طلبہ بھی تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کریں لیکن درپردہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کو جاری رکھنے پر تلے ہوئے تھے۔"ایک طرف علی گڑھ میں روز محشر کا سماں تھا تو دوسری طرف (ہندوؤں) کی بنارس (یونیورسٹی) میں موت کی خاموشی چھائی ہوئی تھی، پنڈت مالویہ نے (بنارس کی ہندو) یونیورسٹی کی حدود میں نہ صرف علی برادران کو بلکہ گاندھی جی کو بھی تقریر تک نہ کرنے دی اور وہ زور شور جو علی گڑھ میں دیکھا گیا، یہاں قطعی سرد تھا، گاندھی جی نے صرف یہ کہہ کر "مالوی جی نہیں مانتے" ہونٹوں پر مہر سکوت لگالی"۔۸۵

کسی بھی اسلامی تحریک کے بہتر نتائج اس وقت ہی سامنے آسکتے ہیں جب اس کی باگ ڈور کسی صحیح العقیدہ اور دل میں خوف خدا رکھنے والے مسلمان کے ہاتھ ہو، اگر کسی غیر مسلم کو قائد بنالیا جائے تو مقصد سے عدم دلچسپی اور اپنے مذہبی مفادات کو ترجیح دینے کی سوچ کے باعث وہ تحریک کو صحیح سمت میں چلانے سے قاصر ہوگا اور نتیجۃً فائدہ برائے نام اور نقصانات بے شمار پہنچنے کا خدشہ برقرار

رہے گا۔ تحریک خلافت اسی حادثے کا شکار ہو گئی، مسٹر گاندھی جو اس تحریک کے قائد و امام چنے گئے تھے، اگرچہ دنیاوی لحاظ سے ذہین اور چالاک لیڈر تھے، اس نے ہندوؤں کو سیاسی طور پر بیدار کر دیا، ان میں مسلمانوں سے لڑنے کی ہمت پیدا کی، انھیں اپنی عددی اکثریت کی قوت کا احساس دلا کر متحدہ ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کی رغبت دلائی لیکن وہ کسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کے لئے بہتر قائد ثابت نہ ہوا۔

تحریک خلافت و تحریک ترک موالات کی قیادت سنبھالتے ہی مسٹر گاندھی نے ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے دلوں سے کفر سے نفرت کا جذبہ ختم ہو جائے، ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دینے کی خاطر بعض خلافتی لیڈروں نے ہندوؤں کے لئے دعائے مغفرت مانگنی شروع کر دی۔ (۸۶) ان کی ارتھی کو کندھا دیا گیا، ان کے ماتم میں مسجدوں میں تعزیتی جلسے کیے گئے اور فاتحہ خوانی بھی کی گئی۔ (۸۷)، ہندوؤں کے مذہبی جلوسوں میں مسلمان بھی شرکت کرنے لگے اور شری رام چندر جی کی جے کے ساتھی "گاندھی جی کی جے" اور "ہندو مسلم کی جے" کے نعرے بھی لگائے جا رہے تھے۔ ۸۸

مولوی اشرف علی تھانوی کہتے ہیں کہ:

"جے کے نعرے لگائے، پیشانیوں پر قشقے لگائے، ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دیا گیا، رام لیلا وغیرہ کا انتظام مسلمان والنٹریوں نے کیا، بیہودہ اور کفریہ کلمات بکے کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو فلاں ہندو (مسٹر گاندھی) نبی ہوتا، کیا خرافات واہیات ہے"۔ ۸۹

متعصب ہندو لیڈر سوامی شردھانند کو جامع مسجد دہلی میں منبر نبوی پر بٹھا کر تقریر کرائی گئی۔ (۹۰)، مسجدوں میں مجالس میں ہندوؤں کو شریک کیا گیا۔ (۹۱)، ان جلسوں میں سے بعض کی صدارت ہندو کرتے تھے۔ (۹۲)، مولوی کہلانے والے بعض حضرات اپنے بیٹوں کے نام "محمد پرکاش" جیسے رکھنے لگے۔ (۹۳)، مخالف مسلمانوں کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا اور ان کے میتوں کو قبرستانوں میں دفن نہیں ہونے دیا گیا۔ (۹۴)، یہاں تک کہ اخبارات میں اس قسم کی خبریں شائع ہونے لگیں کہ "الہ آباد میں ایک ایسا فیصلہ صادر کیا گیا ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ ایثار و رفاقت کی نئی اسپرٹ کو ترقی دے گا بلکہ ایک نئے مذہب کو جو ہندو مسلمانوں کا امتیاز موقوف کرتا ہے اور پریاگ یا سنگم کو ایک مقدس علامت بناتا ہے"۔ ۹۵

قوم پرست مولویوں نے فتوے دیے کہ مسلمان ہندوستان چھوڑ کر افغانستان ہجرت کر جائیں لیکن کسی مفتی صاحب نے بذات خود اس "کار خیر" میں حصہ نہیں لیا، مولوی فیروزالدین صاحب رقمطراز ہیں :

"مسلمان لیڈروں نے تحریک ہجرت شروع کر کے اپنی خفیف الحرکتی کا جو ثبوت دیا وہ نہایت دل شکن اور قابل افسوس ہے، ہزار ہا مسلمان اپنے لیڈروں اور مولویوں کے وعظ و تبلیغ سے متاثر ہو کر اپنے گھر بار اور ساز و سامان اونے پونے بیچ کر افغانستان کی طرف چل دیے اور پھر کس مپرسی کے بعد نقد و جنس برباد کر کے واپس لوٹے، اس تحریک میں گاندھی صاحب نے مسلمانوں کی پیٹھ ٹھونکی تھی، اگر مسلمان جا

کر واپس نہ آتے تو کم از کم اتنا فائدہ ہوتا کہ ان کی آبادی کم ہو جاتی مگر
وہ بھی نہ ہوا اور سب سے بڑا تعجب یہ ہے کہ اکثر ہجرت کے بانی مبانی
یہیں بیٹھے بیٹھے ملاحی کا کام کرتے رہے کہ جو آیا، اسے آگے کر دیا"۔ ۹۶

اس ساری جدوجہد کا نتیجہ کیا برآمد ہوا، ترک راہنماؤں نے خود خلافت کا خاتمہ کر دیا اور ایک پر تشدد واقعہ کو بہانہ بنا کر مسٹر گاندھی نے کسی قوم پرست مولوی یا لیڈر سے صلاح و مشورہ کیے بغیر تحریک ترک موالات کے خاتمے کا اعلان کر دیا، یہ لوگ اس وقت جیل میں تھے، وہاں سے انہوں نے احتجاجی خطوط بھیجے جن پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے کہا:

"وہ لوگ جیل میں ہیں، وہ سول حیثیت سے مردہ ہیں اور ان کو کوئی
حق نہیں کہ وہ باہر والوں کو مشورہ دیں"۔ ۹۷

ایک انگریز مصنف نے خیال ظاہر کیا تھا کہ "تحریک ترک موالات اور سول نافرمانی کے رہنماؤں کی کارروائیوں نے کوئی مفید نتیجہ حاصل کیے بغیر ہندوستان کو تباہی و بربادی سے دوچار کر دیا"۔ ۹۸

تحریک خلافت و تحریک ترک موالات کی مخالفت کے سلسلہ میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ان تحریکوں کی شدت سے مخالفت کی۔ (۹۹)۔ ان کے علاوہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ہم مسلک علماء و مشائخ نے مسلمانوں کی بر وقت راہنمائی کر کے مسلمانوں کو مکمل تباہی و بربادی سے بچا لیا۔

حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"سلطنت اسلامیہ کی تباہی وبربادی اور مقامات مقدسہ بلکہ مقبوضات اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی وبربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو کم ہے، سلطنت اسلامیہ کی اعانت وحمایت، خادم الحرمین کی نصرت ومدد مسلمانوں پر فرض ہے لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو مقتدا بنایا جائے اور دین و ایمان کو خیر باد کہہ دیا جائے، اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندوان کے ساتھ متفق ہو کر جا ہے، درست ہے، پکارتے، مسلمان آگے ہوتے اور ہندوان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں، کہیں ہندوؤں کی خاطر قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں، اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے، کروڑوں سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں مگر دین کو کسی سلطنت کی طمع پر برباد نہیں کیا جاسکتا۔" ۱۰۰

حضرت قبلہ عالم (پیر مہر علی شاہ گولڑوی) قدس سرہ نے ہندو سے موالات کے جواز کا انکار فرمایا کہ یہود اور مشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحتاً مذکور ہے، پس ترک موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہونی چاہیے، تفریق اور ترجیح بلا مرجح ٹھیک نہیں، نیز آپ نے کھدر کے استعمال کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ فقہ اور دین کی کتابوں میں ایسا کوئی حکم نہیں اور ذبح گاؤ کی قباحت کو آپ نے رد کیا، فرمایا: ذبح گاؤ کی خوبیاں اور فضیلت مذکور ہے، اس طرح آپ نے گاندھی کی تمام باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار فرمایا جس کی وجہ سے سب لیڈر آپ سے ناراض ہو گئے۔ ۱۰۱

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک خادم منشی تاج الدین احمد تاج مرحوم ہندو ذہنیت کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ہندوؤں کے باورچی خانہ میں اگر کتا چلا جائے تو باورچی خانہ ناپاک نہیں ہوتا لیکن اگر مسلمان کا سایہ بھی پڑ جائے تو باورچی خانہ ناپاک ہو جاتا ہے کیوں کہ مسلمان ملیچھ جو ٹھہرے، ایک ہندو حلوائی کی دکان پر جا کر مسلمان ایک ذلیل بھنگی کی طرح سودا خریدتا ہے اور کسی مسلمان کی مجال نہیں کہ ہندو کی کسی چیز کو ہاتھ لگا سکے"۔ ۱۰۲

اس ذہنیت کے لوگوں کو منبر نبوی پر بٹھانے کی جسارت کرنے والے قوم پرست لیڈروں اور مولویوں پر گرفت کرتے ہوئے پروفیسر مولانا سید محمد اشرف رقمطراز ہیں:

"مسلمانو! ذرا انصاف سے کام لو، تم نے مساجد کی کیسے بے حرمتی اپنے ہاتھوں سے کی ہے، کیا مسلمانوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ نجس وناپاک کا مسجد میں جانا شرعاً سخت ممنوع ہے۔ اہل ہنود کے مذہب میں بجز مسلمانوں کے وجود کے اور کوئی شے نجس نہیں، علاوہ نجاست کفر وشرک کے وہ دیگر نجاست ظاہری سے آلودہ رہتے ہیں اور انہیں تمام مساجد میں لے گئے، منبریا منبرہ جو ساری مسجد کا ایک ممتاز مقام ہے، اس پر تم نے ہنود کو جگہ دی، تبلیغ وہدایت کے لئے ان سے مصر ہوئے، ذرا ایمان کو سامنے رکھ کر کہنا کہ منبر کس کی جگہ تھی اور اس پر سے کس کی صدائے تلقین وتبلیغ بلند ہوئی تھی اور تم نے اس عظمت کو کس بیدردی سے پامال کیا، ہنود مساجد میں توحید کی آواز سننے اور مشرکانہ اعمال کی خطاکاری سمجھنے اور ہدایت پانے کے لئے اگر جاتے یا لے جائے جاتے تو سہو اور خطاکاری کا ایک بہانہ بھی تھا لیکن خاص خانۂ خدا اور توحید کے مکان میں مبلغ کی حیثیت سے ہنود کو سربلندی بخشنا اس صدی کے مدعیان اسلام کا خاصہ ہے"۔ ۱۰۳

انگیز پرستی کے الزام کا جواب دیتے ہوئے تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا:

"وہ کون سی بات ہے جس کی وجہ سے علمائے اسلام گورنمنٹ کے تنخواہ دار سمجھے گئے؟ کیا شعائر اسلام کے مٹنے سے راضی نہ ہونا، مسلمانوں کو مراسم شرک میں مبتلا ہونے سے روکنا، یہ خالص

گورنمنٹ کا کام ہے یا اس کے علاوہ وہ گورنمنٹ کو کوئی امداد پہنچا رہے ہیں مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ خود غرض خوب جانتے ہیں کہ علماء کج روی اور بے راہی کی کبھی حمایت نہیں کر سکتے، اس لئے وہ اپنے اغراض کو پورا کرنے کے لئے عوام کو علماء کی طرف سے بد ظن کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔

جب علماء کی آواز عوام تک نہ پہنچے اور ان کو گورنمنٹی آدمی سمجھ کر کوئی ان کی بات کان لگا کر نہ سنے تو پھر گاندھی اور لیڈروں کا جادو چل جانا کیا مشکل ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے شعائر مذہب سے بیگانہ اور ہندوؤں میں جذب ہوتے چلے جاتے ہیں"۔ ۱۰۴

موضوع زیر بحث پر امام احمد رضا فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے، اس کا ایک اقتباس حضرت حکیم اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مقالہ میں نقل کیا تھا جسے ہم پچھلے صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے چند اقتباسات ہدیۂ قارئین ہیں:

☆ مشرک کو پیشوا بنالیا۔ آپ پس رو بنے، جو وہ کہے، وہی مانیں، قرآن و حدیث کی تمام عمر اس پر نثار کر دی، ترک موالات کا نام بدنام اور اللہ کے دشمن مشرکوں سے وداد، محبت و اتحاد بلکہ غلامی و انقیاد۔۔۔ یہ تو صراحۃً اسلام کو کند چھری سے ذبح کرنا ہے، اس کا نام حمایت اسلام رکھنا کس درجہ صریح مغالطہ و اغوا ہے۔۔۔ انہوں نے سرے سے کلمہ ہی کو اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا، نہیں نہیں بلکہ پس پشت پھینک دیا، مشرکوں کو "روح اعظم" (مہاتما) بنایا، موسیٰ بنایا، نبی

بالقوہ بنایا، مذکر مبعوث من اللہ بنایا، اس کی مدح خطبہ جمعہ میں داخل کی، اس کی تعریف میں کلام الٰہی کا مصرعہ "خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست" گایا اور کفر و کفریات وضلالت اختیار کیے۔ ۱۰۵

☆ موالات مطلقاً ہر کافر، ہر مشرک سے حرام ہے، اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو، اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریب ہو۔ ۱۰۶

☆ اگر سب مسلمان زمینداریاں، تجارتیں، نوکریاں تمام تعلقات یکسر چھوڑ دیں تو کیا تمہارے جگری خیر خواہ جملہ ہنود بھی ایسا ہی کریں گے اور تمہاری طرح نرے ننگے بھوکے رہ جائیں گے، حاشا ہرگز نہیں۔ زنہار نہیں اور جو دعوی کرے، اس سے بڑھ کر کاذب نہیں، مکار نہیں، اتحاد و وداد کے جھوٹے بھروں پر بھولے ہو، منافقانہ میل پر پھولے ہو، سچے ہو تو موازنہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو ادھر پچاس ہندوؤں نے نوکری، تجارت، زمینداری چھوڑ دی ہو کہ یہاں یہی نسبت یہی یا اس سے بھی کم ہے اگر نہیں دکھا سکتے تو کھل گیا کہ۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ ۱۰۷

☆ وہ الحاق واخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز و حرام ہوگا مگر یہ عدم جواز اس شرط یا لازم سبب سے ہوگا، نہ بربنائے تحریم مطلق معاملت، جس کے لئے شرع میں اصلاً اصل نہیں اور خود ان مانعین کی طرز عمل ان کے کذب دعویٰ پر شاہد، ریل، تار، ڈاک سے تمتع کیا معاملت نہیں، فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال لینا ہے اور ان کے استعمال میں دینا، عجب کہ مقاطعت میں

مال دینا حلال ہو اور لینا حرام، اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ڈاک ہمارے ہی ملک ہیں، ہمارے روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے، وہ بھی یہیں کا ہے تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع۔ اس الٹی عقل کا کیا علاج۔ ۱۰۸

☆ حکیم اہل سنت نے تحریک خلافت و ترک موالات کے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا، ان پر تبصرہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اب حکیم صاحب کی تحریروں اور انٹرویو سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں جن میں تحریک پاکستان کے چند چشم دید حالات و واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

☆ حضرت مولانا (احمد رضا) بریلوی نے گاندھی کے فسوں کو توڑنے کی جو کوششیں کی تھیں اور اپنے رفقاء و خلفاء کی جس انداز میں تربیت کی تھی اس کا نتیجہ ہے کہ حضرت کے تلامذہ، خلفاء اور متبعین نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت کے خلفاء میں سے صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین اور حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی رحمہما اللہ نے تحریک پاکستان کو کامیاب کرنے کے لئے آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد رکھی اور پاک و ہند کے ہر شہر میں اس کی شاخیں قائم کیں۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس میں تائید تحریک پاکستان کی خاطر ایک کانفرنس منعقد کی جس میں پانچ ہزار کی کثیر تعداد میں علماء و مشائخ شریک ہوئے اور سب نے پاکستان بنانے کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کرنے کا عہد کیا۔ مولانا مراد آبادی تو حمایت تحریک پاکستان میں اس قدر سرگرمی دکھا

رہے تھے کہ اس کی مثال محال ہے۔ مولانا اپنے ایک خط میں مولانا ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ کو لکھتے ہیں :

"پاکستان کی تجویز سے "جمہوریت اسلامیہ" (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں"۔ ۱۰۹

☆ مولانا محمد بخش مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لاہور میں بیٹھ کر پاکستان کے لئے بہت کام کیا۔ ہمارے امرتسر کے نوجوان لاہور میں مسلم صاحب کے پیچھے جمعہ پڑھنے خصوصی طور پر آتے تھے کیوں کہ مسلم صاحب جمعہ کے خطاب میں قیام پاکستان کے لیے مدلل دلائل دیا کرتے تھے۔ انہوں نے عام دیہاتیوں کو مسلم لیگ کا حامی بنانے کے لئے بڑی سادہ سی بات یہ کہی کہ یہ مسلم لیگ نہیں بلکہ کفر اور اسلام میں "لیک" ہے۔ (پنجابی میں لیک خط کو کہتے ہیں) تو ایک عام دیہاتی کی سمجھ میں مسلم لیگ کا منشور واضح ہو جاتا تھا۔ ۱۱۰

☆ حضرت میاں (علی محمد خان چشتی) صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خاموشی سے کام کرنے کے عادی تھے۔ اخبارات میں بیان وغیرہ چھپوانے کو ناپسند فرماتے، لہذا تحریک پاکستان میں اپنے نمائندوں کے ذریعے اپنے مریدین کو پاکستان کی مکمل حمایت کے احکامات بھیجتے رہے۔ حضرت پیر صاحب مانکی شریف علیہ الرحمۃ ۱۹۴۵ء میں حضرت گنج شکر قدس سرہ کے عرس پر حاضر ہو کر مشائخ کرام سے ملے اور تحریک پاکستان کی کامیابی کے لئے مشورے کرتے رہے۔ حضرت پیر صاحب مانکی شریف نے حضرت میاں صاحب سے بھی

ملاقات فرمائی اور تقریباً ایک گھنٹہ سے زائد عرصہ تک یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد پیر صاحب مانکی شریف کا ایک معتقد نمائندہ "بسی تو" پہنچا اور علیحدگی میں بات کر کے فوراً روانہ ہو گیا۔ گفتگو کیا ہوئی، اس کا کسی کو علم نہیں، انتخابات بالکل قریب آگئے تو عقیدت مندوں اور تحریک کے قائدین نے اصرار کیا کہ آپ ایک بیان دیں کہ ووٹ مسلم لیگ کو دیئے جائیں۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب کا وہ بیان (روزنامہ) "نوائے وقت" میں شائع ہوا تھا۔ مختصر یہ کہ حضرت میاں صاحب نے اپنے اصول کے مطابق تحریک پاکستان کی پرزور مدد فرمائی۔ میں اپنی ذاتی معلومات کے مطابق پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ امرتسر کے حلقۂ دیہات (تحصیل امرت سر) سے چوہدری نصر اللہ صاحب محض حضرت قبلہ کی وجہ سے منتخب ہوئے اور ہوشیار پور سے منتخب ہونے والے ہریانہ کے نصر اللہ خان صاحب تو ان کے مخلص ترین مرید ہیں۔ لدھیانہ سے حضرت کے ایک تعلق دار یونی نسٹ پارٹی کی طرف سے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ہر چند کوشش کی کہ حضرت میاں صاحب حمایت فرمائیں مگر ایسا نہ ہوا اور مسلم لیگی امیدوار بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گیا۔!!!

☆ جب تحریک پاکستان چل رہی تھی اس وقت امرتسر میں اکثر و بیشتر جلسے ہوا کرتے تھے۔ میں نے ان جلسوں میں اکثر بطور سامع کے شرکت کی، مسلم لیگ کے جلسے شیخ صادق حسن صاحب کے زیر اہتمام ہوا کرتے تھے جن میں اکثر مولانا عبدالستار خان نیازی، راجہ غضنفر علی وغیرہ بطور مقرر تشریف لاتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا نیازی کا عالم شباب تھا، ان کا چہرہ جلی کے قمقموں

سے زیادہ سرخ اور چمکدار ہوا کرتا تھا۔ مولانا تقریر جیسے ہی شروع کرتے تو دو تین منٹ بعد مولانا کا چہرہ لال سرخ ہو جاتا تھا۔ ۱۱۲

☆ مولانا (عبدالستار خان) نیازی کے علاوہ ایک ان سے بھی زیادہ شعلہ بیان مقرر جو امرتسر آتے تھے مولوی بشیر احمد اختر تھے۔ مولوی صاحب ابھی حیات ہیں۔ رحیم یار خان صادق آباد میں رہتے ہیں، میرے پاس آتے ہیں، مولوی صاحب اس وقت کے گریجویٹ تھے۔ اسی طرح راولپنڈی کے سید مصطفیٰ شاہ گیلانی بھی بہت اچھی تقریر کیا کرتے تھے۔ ایک آدمی اور تھا جسے لاہور والوں نے مار دیا، میں اکثر لوگوں سے پوچھتا ہوں، بتاؤ وہ کہاں ہے پروفیسر عنایت اللہ۔ یہ صاحب ان سے بہتر مقرر تھے، یہ لوگ پورے ملک کے دورے کر کے اپنی شعلہ بیانی سے کانگریس اور احراری مقرروں کے مقابلے میں مسلم لیگ کی راہ ہموار کرتے تھے۔ یہ مقرر احراری مقرروں کی شعلہ نوائی کو خاک میں ملا دیتے تھے۔ ۱۱۳

☆ اس وقت انگریز اور ہندو ہمارے مد مقابل تھے، مسلمانوں کے سامنے آزادی اور اسلام کی سربلندی کا نصب العین تھا جب میرے والد صاحب کا کتب خانہ اور دواخانہ سکھوں نے جلا دیا، ہمارا کتب خانہ امرتسر کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا، اس میں ۲۵ ہزار کتابیں تھیں تو اس وقت لوگ والد صاحب سے اظہار افسوس کرنے آئے تو والد صاحب کے الفاظ تھے کہ جب پاکستان بن جائے گا تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری یہ قربانی قبول ہو گئی۔ ۱۱۴

حکیم اہل سنت کی زبانی، تحریک پاکستان کی جو کہانی اوپر بیان کی گئی ہے وہ

بلاشبہ بہت مختصر ہے لیکن ان کے ایما پر اس موضوع پر جو مقالات لکھے گئے اور
کتب تصنیف ہوئیں، ان کی افادیت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حکیم
صاحب مرحوم کی یہ شدید خواہش تھی کہ سنی قلم کار اس گم شدہ تاریخ کو منظر
عام پر لانے کی جانب خصوصی توجہ دیں، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ متعلقہ افراد
کو اپنے بزرگوں کی خدمات کو اجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم بھی اس سلسلہ
میں چند سطور قلم بند کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تا کہ ایک جانب تو ہمارا
نام بھی حکیم صاحب کی خواہش کا احترام کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہو
جائے اور دوسری طرف قارئین ان کے درج بالا ارشادات آسانی سے سمجھ سکیں۔

بعض لوگ مثبت تحریر کی یہ نشانی بتاتے ہیں کہ کسی پر تنقید کیے بغیر
اپنے من پسند راہنماؤں کے کارنامے بیان کیے جائیں لیکن مشکل یہ ہے کہ جب
تک مد مقابل کے افکار و نظریات پیش نہ کیے جائیں، اس وقت تک سنی علماء و
مشائخ کے زریں کارناموں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اس لیے
نہ چاہتے ہوئے بھی تحریک پاکستان کے مخالف اور حامی مذہبی راہنماؤں کے کردار
کا تقابلی جائزہ پیش کرنا ہماری مجبوری ہے، ہمارا مقصد کسی کی دلآزاری کرنا ہرگز
ہرگز نہیں لیکن چونکہ حالات وواقعات کو صحیح رنگ میں پیش کرنا ایک مورخ کی تلخ
ذمہ داری ہوتی ہے، اس لئے جو گزارش ہمیں شروع میں کرنا چاہیے تھی وہ اب کر
رہے ہیں کہ یہ مقالہ اسی مجبوری اور جذبہ کے تناظر میں پڑھا جائے۔

مسلم لیگ کے قائدین ہندو اور انگریز راہنماؤں سے نپٹنے کے تو اہل تھے
لیکن قوم پرست مولوی ان کے لئے دردِ سر بنے ہوئے تھے، یہ حضرات مشرک

لیڈروں کی تعریف و توصیف کرنے میں عقل سے کام نہیں لیتے تھے لیکن مسلمان راہنماؤں میں انہیں کوئی اچھائی نظر نہیں آتی تھی۔ ابوالکلام آزاد برملا کہا کرتے تھے:

☆ مسٹر گاندھی نے جنگ آزادی میں اپنی جان اور مال دونوں لٹادیا، پس "وہ فی الحقیقت "مجاہد فی سبیل اللہ" ہیں اور بانفسھم و اموالھم کے ہر دو مراحل جہاد مقدس سے گزر چکے ہیں، یہ (مسٹر گاندھی) حق و صداقت کا عجیب سپہ سالار ہے۔ ۱۱۵

☆ مہاتما گاندھی کی رہنمائی پر اعتماد ہی ایک تمہار ہنمائی ہے جس نے ہماری تحریک کا شاندار ماضی تعمیر کیا ہے اور اسی سے ہم ایک فتح مند مستقبل کی توقع کرسکتے ہیں۔ ۱۱۶

☆ اس کے برعکس کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن اور محبوب رہنما قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق قوم پرست مولویوں کا نقطہ نظر یہ تھا:

☆ باوجودیکہ مسٹر جناح مذہب اسلام اور اہل سنت اور اہل مذہب سے نہ صرف مستغنی بلکہ سخت متنفر بھی ہیں، نہ ان کی زندگی مذہبی ہے نہ اس بچارے نے مذہبی ہونے یا مذہبی قیادت کا دعویٰ کیا ہے، وہ ایک کامیاب بیرسٹر ہیں اور سیاسی قیادت کے مدعی اور خواہشمند ہیں اور پھر سیاست بھی اس قسم کی جو کہ یورپین اقوام اور ممالک کی ہے۔ اسلامی سیاست سے نہ وہ واقف ہیں اور نہ اس کے مدعی۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ اصحاب اغراض عام مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے امام اور قائداعظم ہیں۔ (مولوی حسین احمد دیوبندی) ۱۱۷

☆ سب سے زیادہ حیرت جانشین شیخ الہند (مولوی محمود حسن) اور

دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد صاحب مدنی پر ہے۔ ان تمام تحریروں اور تردیدوں کے ملاحظہ فرمانے کے باوجود مسٹر اور مسز جناح کے کفر اور سول میرج کے افسانہ پر انہیں اب تک یقین ہے، اب بھی وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں مسلمانوں کے "کافر" لیڈر اور کافرہ بیوی کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں، کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟ ۱۱۸

کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق ان لوگوں کا موقف یہ تھا۔

☆ ہمیشہ ایسی تجاویز کانگریس میں آتی اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہب اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ لگے۔ (مولوی حسین احمد دیوبندی) ۱۱۹

☆ مسلم لیگ کی موجودہ حالت سے جو بے دینی پھیل رہی ہے اور جو نقصان اسلام اور مسلمانوں کو حاصل ہو رہا ہے وہ کانگریس تو درکنار ہندوستان کے تمام ہندوؤں سے نہیں پہنچ رہا۔ (مولوی محمد میاں ناظم جمعیت العلماء ہند) ۱۲۰

پاکستان کے بارے میں یہ حضرات کہا کرتے تھے:

☆ پاکستان قائم ہونے میں مسلمانوں کا سراسر نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ (مولوی حفظ الرحمٰن) ۱۲۱

میری سمجھ میں اگر پاکستان آبھی جائے تو میں فوراً (مسلم) لیگ میں چلا جاؤں گا لیکن میں پاکستان قبول کرنے میں مسلمانان ہند کی ذلت آمیز موت دیکھ رہا ہوں۔ (مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی) ۱۲۲

☆ پاکستان کا بننا تو بڑی بات ہے، کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان

کی پ بھی بنا سکے۔ (مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری) ۱۲۳

☆احرار اس "پاکستان" کو "پلید ستان" سمجھتے ہیں (چوہدری افضل حق رئیس الاحرار) ۱۲۴

☆کتوں کو بھونکنا چھوڑ دو، کاروان احرار کو اپنی منزل کی طرف چلنے دو، احرار کا وطن (مسلم) لیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں۔ (چوہدری افضل حق رئیس الاحرار) ۱۲۵

☆ان لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ وہ اب بھی پاکستان کا نام جپتے ہیں۔۔۔ سچ ہے پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے۔ (مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری) ۱۲۶

☆پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے۔ (مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری) ۱۲۷

ان "علماء" کا مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا، یہ جو زبان استعمال کرتے تھے اس کے چند نمونے درج بالا سطور میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں نیز ہندو رہنما جو دعویٰ کرتے تھے، یہ لوگ اس کی تصدیق کے لئے قرآن و سنت سے سند فراہم کرتے تھے۔ مثلاً انگریزوں سے ترک موالات کے فتوے کی ضرورت پڑی تو انہوں نے فتویٰ دے دیا، بعد میں مسٹر گاندھی نے اس کے برعکس کام کرنے کا حکم صادر فرمایا تو یہی "علماء کرام" کانگرسی امیدواروں کو کامیاب کرنے کے لئے" میدان جہاد" میں کود پڑے۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے کے مصداق سنی علماء و مشائخ نے یہ چیلنج منظور کرتے ہوئے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ قابل احترام قائدین

زبان تو شائستہ استعمال کرتے تھے لیکن کتاب و سنت کے محکم دلائل کے بل بوتے پر انہوں نے کانگرسی مولویوں کی ایک نہ چلنے دی۔ تمام سنی اکابرین دو قومی نظریہ کے مبلغ بن گئے، ان کے دار العلوم اس کام کے لئے وقف ہو گئے۔ انہوں نے مسلم لیگ سے لیا کچھ نہیں بلکہ مساجد میں تقاریر کے ذریعے عوام کو چندہ دینے کی رغبت دلا کر مسلم لیگ کا خزانہ بھر دیا، کانگرسی مولوی جہاں بھی جاتے یہ حضرات سایہ کی طرح ان کا پیچھا کرتے۔ انہیں خریدنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ بکے نہیں، دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوئے، یہ ان ہی کی ان گنت قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم ایک آزاد اسلامی ملک میں سکھ کی سانس لے رہے ہیں۔

حضرت صدر الافاضل مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مراد آباد میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے ۱۹۲۵ء میں ایک عظیم تحریک کی بنیاد ڈالی اور اس کی تنظیم پورے برصغیر میں فرمائی، اسی سال علی گڑھ سے شائع ہونے والے رسالہ میں مولانا عبد القدیر بلگرامی کی "ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام" سے پہلی مرتبہ تقسیم ہند کی تجویز آئی تھی جس کے پانچ سال بعد حضرت علامہ اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد میں اسے سیاسی طور پر پیش کیا۔ یقیناً علماء حق کی جدوجہد کا بھی اس پر اثر ہوگا۔ ۱۲۸

سنی علماء و مشائخ کی نمائندگی کرتے ہوئے مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود بھی تقسیم ہند کی تجویز پیش فرمائی۔ ۱۲۹

اور خطبہ الہ آباد کی بھی پر زور تائید کی۔ مشہور مسلم لیگی رہنما حکیم آفتاب احمد قرشی رقمطراز ہیں:

"بریلوی مسلک کے مشہور بزرگ نعیم الدین مراد آبادی نے بھی اپنے موقر جریدے "ماہنامہ السواد الاعظم" میں علامہ اقبال کی اس تجویز (خطبہ الہ آباد میں پیش کردہ تصور پاکستان) کی حمایت میں کئی مضامین لکھے"۔ ۱۳۰

مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ اس تاریخی اجلاس میں مولانا محمد بخش مسلم، شیخ القرآن علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا ابراہیم علی چشتی، مولانا مرتضی احمد خان میکش، علامہ ابوالحسنات قادری، مولانا عبدالستار خان نیازی وغیرہم نے شرکت فرمائی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے قرارداد پاکستان کی حمایت میں بہت دلنشین اور اثر انگیز تقریر کی۔ (۱۳۱) اور حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے حسب ذیل تہنیتی تار ارسال فرما کر قائداعظم مرحوم کو اپنی تائید کا مکمل یقین دلایا۔

"فقیر مع نو کروڑ جمیع اہل اسلام ہند دل و جان سے آپ کے ساتھ ہے اور آپ کی کامیابی پر آپ کو مبارکباد دیتا ہے اور آپ کی ترقی مدارج کے لئے دعا کرتا ہے"۔ ۱۳۲

کانگریس کے متعلق سنی علماء و مشائخ کا موقف بالکل واضح تھا، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کا فتویٰ یہ تھا کہ:

"مسلمانوں کی ہندو کانگریس میں شمولیت اسلام کے سراسر خلاف اور ناجائز ہے"۔ ۱۳۳

امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ بھی کانگریس کو مسلمانوں کے لئے نقصان دہ سمجھتے تھے، جناب محمد عبدالحکیم ایم اے تحریر فرماتے ہیں:

"میرے والد بزرگوار قاضی محمد یٰسین علیہ الرحمۃ نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فتویٰ منگایا اور کئی ہزار کاپیاں چھپوا کر تقسیم کیا، اس فتویٰ میں درج تھا کہ مسلمانوں کے لئے کانگریس میں شامل ہونا حرام ہے، وطن کی آزادی کے لئے مسلمان ہندوؤں میں مدغم ہونے کی بجائے اپنی علیحدہ تنظیم کریں، اس اشتہار کا عنوان تھا "مسلمانو! کانگریس سے بچو"۔ ۱۳۴

آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس ۱۹۳۰ء میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ "موجودہ حالات میں مسلمانوں کو کانگریس کی تحریکات سے علیحدہ رہنا ضروری ہے، مذہب کا یہی حکم ہے اور اقتصادی مصالح کا بھی یہی تقاضا ہے"۔ ۱۳۵

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ حضرت صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اعلان فرمایا:

"مسلمانوں کو اپنے قیمتی ووٹ کانگریس کو دینا حرام ہے اور احرار، خاکسار، یونی نسٹ وغیرہ بھی مسلمان اکثریت سے کٹ کر گاندھی، نہرو کے زر خرید غلام ہیں، انہیں مسلمانوں کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ہے، مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کا حق صرف ان سنی العقیدہ مسلمانوں کو ہے جو کونسلوں میں جا کر مسلمانوں کے جائز حقوق کی نگہداشت کریں اور احکام شریعت کے مطابق جدوجہد کریں"۔ ۱۳۶

کانگریس کی مخالفت کسی ذاتی مفاد یا انگریزوں کے اشارے پر مبنی نہیں تھی بلکہ سنی اکابرین جا طور پر یہ محسوس کر رہے تھے کہ انگریزوں کی طرح ہندو بھی اسلام کے کبھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے اور ان پر اعتماد کرنا خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حقیقت کی نشاندہی ان الفاظ میں فرمائی:

"ہم کسی حالت میں بھی اپنے مذہب میں رخنہ اندازی برداشت نہیں کریں گے، ہم کسی شعار اسلام کو ترک کرنے کے لئے کسی حال میں بھی تیار نہیں ہوں گے، وہ اتفاق، وہ صلح جس سے ہمارا ایمان اور اسلام اور اعتقاد جاتا رہے، ہم کسی طرح بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، ہندو قوم ہماری سالہا سال کی آزمائی ہے، ان سے یہ توقع کرنی کہ ہمارے ساتھ دوستی رکھے گی، ہمارے ساتھ اتحاد و یگانگت کرے گی، بالکل فضول اور لا حاصل ہے"۔ ۱۳۷

سنی علماء و مشائخ مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہو کر قیام پاکستان کے لیے جد و جہد کرنے کی تلقین فرماتے تھے:

☆ اس وقت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی سخت ضرورت ہے، ہر مسلمان کو حصول پاکستان کے لئے پوری جد و جہد کرنی چاہیے جہاں وہ عزت اور آزادی سے رہ سکیں گے، حصول پاکستان کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ ہر مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہو کیونکہ مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور آزادی کے لئے کوشاں ہے۔ (پیر امین الحسنات مانکی شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ۱۳۸

☆ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے، دوسری طرف کفر کا، چونکہ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اس لئے اس سے کٹنا اسلام سے کٹنا ہے۔ (استاذ العلماء مولانا یار محمد بندیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)۱۳۹

☆علماء احناف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیے۔ (شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)۱۴۰

☆جو مسلم لیگ کا مخالف ہے، خواہ کوئی ہو، اگر وہ مر جائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ (امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)۱۴۱

☆مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں کیونکہ وہی ان کو نجات دلا سکتی ہے۔ (پیر فضل شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)۱۴۲

☆اے حضرات اخوان ملت، مسلمان بھائیو۔۔۔ کل جس مسلم لیگ کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، آج کانگریس اور برطانیہ دونوں کی نظریں اس کی پالیسی کی طرف لگی ہوئی ہیں، اس لئے اب جس قدر جلد ممکن ہو، ۱۹۴۰ء کے لیے زیادہ ممبر بن جائیں، جن محلوں، دیہاتوں، تحصیلوں میں مسلم لیگ قائم نہ ہو وہاں قائم کر کے اپنے ضلع سے الحاق کیجئے اور بہت جلد بتا دیجئے کہ آپ اسلام کے لئے سینہ سپر ہونے اور اپنے محترم صدر اعظم مسٹر جناح کے ارشاد کی تعمیل پر ہر وقت تیار ہیں۔ (مفتی محمد برہان الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ، صدر مسلم لیگ، جبل پور)۱۴۳

مخالفین پاکستان بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے تھے کہ سنی اکابرین مسلم لیگ کے ہمنوا تھے۔ ان میں سے چند کے بیانات ہدیۂ قارئین ہیں:

☆ حکومت اور مسلم لیگ نے پنجاب اور سرحد کے گدی نشین پیر اور پرہیز گار سب کو کوٹھڑیوں سے نکال کر الیکشن میں جھونک دیا تھا۔ (خان عبدالغفار خان) ۱۴۴

☆ خود علماء کس حال میں ہو گئے ہیں، کیا آپ کی نظر سے یہ نہیں گزرا کہ اسی پنڈال میں (مسلم) لیگ کے اجلاس کے بعد علماء کا اجلاس ہوا اور بر چونڈی شریف کے پیر صاحب نے صدارت فرمائی، مولانا جمال صاحب، صاحبزادہ مولانا عبدالباری صاحب مرحوم فرنگی محلی اور مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور بہت سے حضرات ان دنوں ان تمام اجلاسوں میں شریک رہے، جب حالت اس درجے بدل گئی ہے کہ مسلم عوام، ارباب طریقت، ارباب شریعت، سب کے سب اس سیلاب (مسلم لیگی مشن) کی نذر ہوتے ہوئے دین اور احکامِ دین سے برگشتہ ہوتے جا رہے ہیں، تو جمعیت (علمائے ہند) کے مٹھی بھر افراد اپنی خستہ حالی کے ساتھ کیا کر سکیں گے۔ (مولوی حسین احمد دیوبندی) ۱۴۵

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بلاشبہ عالم دین نہیں تھے لیکن سنی قائدین کی نظر میں وہ مسلمانوں کی قیادت کے لئے موزوں ترین شخصیت اور قابل اعتماد راہنما تھے:

☆ ہمارے مقصد کو بروئے کار لانے والا صرف اور صرف قائداعظم ہے، وہ ایک مسلمان وکیل ہے جو پیسے اور آرام کے بغیر مسلمانوں کی وکالت کرتا ہے۔ (حضرت پیر غلام مجدد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ۱۴۶

☆ جب تک انگریز اور ہندو کی سیاست اس ملک میں موجود ہے، اس

کے مقابلے کے لئے قائداعظم محمد علی جناح مسلمانان ہند کے بہترین رہنما اور ترجمان ہیں۔ (مولانا بشیر اخگر) ۱۴۷

☆ قائداعظم مسلمانوں کے لئے خدائی عطیہ ہیں، ان کے دامن کو مضبوطی سے پکڑلو اور ہندو کانگریس کا ہر محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کرو، ان شاء اللہ کامیابی مسلم لیگ کی ہوگی اور پاکستان بن کر رہے گا۔ (مولانا ابوالنور بشیر) ۱۴۸

سنی علماء و مشائخ قائداعظم مرحوم سے وقتاً فوقتاً ملاقاتیں کر کے مختلف مسائل پر تبادلۂ خیالات کرتے اور انہیں جلسوں میں تشریف لانے کی دعوت دیتے، حضرت علامہ شاہ محمد عارف اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک انٹرویو میں بتایا:

> "جناح صاحب سے میری ملاقات پاکستان بننے سے قبل کاٹھیاواڑ کے مشہور شہر گونڈل میں ہوئی جہاں وہ روزنامہ "ڈان" کے چندے کی فراہمی کے لئے گئے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے پاکستان میں اسلامی قانون جاری کرنے سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فوراً ہی کتاب و سنت کی روشنی میں قانون بنانے کا یقین دلایا"۔ ۱۴۹

حضرت شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۹۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو کلکتہ میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی جس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرما رہے تھے۔ اس عظیم الشان اجلاس میں شیخ القرآن علامہ عبدالغفور صاحب ہزاروی نے اسٹیج پر پرجوش و دل پذیر تاریخی خطاب فرمایا اور "تحریک نیلی پوش" کو باقاعدہ طور پر ختم کر کے

جملہ اراکین کی مسلم لیگ میں شرکت کا اعلان فرمایا۔ آپ کا یہ خطاب اتنا پر اثر تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ قائد اعظم اور قائد اہل سنت کی پہلی ملاقات تھی، پھر یہ سلسلہ رواں دواں ایک تحریک بن گیا۔ قائداعظم آپ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بے پناہ مصروفیات کے باوصف آپ کی درخواست کو قبول فرما کر وزیر آباد شہر میں تشریف آوری کو قبول کیا۔ ۱۵۰

تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مختلف رہنماؤں اور کارکنوں کو بے شمار خطوط لکھے جن میں سے اکثر شائع ہو چکے ہیں لیکن افسوس کہ سنی علماء و مشائخ اور قائداعظم کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی تھی وہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، بعض شائع بھی ہوئے تو اخبارات و رسائل کی زینت بنے جو عام طور پر ایک خاص مدت گزرنے کے بعد ضائع ہو جاتے ہیں، اور کہیں محفوظ بھی ہو جائیں تو کسی کے پاس انہیں کھنگالنے کا وقت نہیں ہوتا، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان خطوط کو خاص ترتیب کے ساتھ جدید انداز میں کتابی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ لوگوں کو علم ہو سکے کہ تحریک پاکستان کے دوران سنی اکابرین کو قائداعظم کا کس قدر قرب حاصل تھا اور قائد ان کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

آخر میں پاکستان کے متعلق سنی قائدین کے چند ارشادات پیش خدمت ہیں:

☆ کیسی ناپاک تعلیم ہے جو پاکستان کے تصور سے لرز اٹھے اور پاکستان

میں جس کو اپنی زندگی محال نظر آئے، اسلامی تلوار کی آزادی میں اپنی موت معلوم ہو، کیا سنیوں کی سنیت اور مسلمانوں کی اسلامی غیرت اب اس قومی و دینی جرم کو برداشت کر سکتی ہے کہ ایسی درس گاہ کو مدد دے کر اس کو زندہ رکھا جائے، ہرگز نہیں۔ (رئیس المتکلمین سید محمد اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)۱۵۱

☆ حکومت اور کانگریس دونوں کان کھول کر سن لیں کہ اب مسلمان بیدار ہو چکے ہیں، انہوں نے اپنی منزل مقصود متعین کر لی ہے، اب دنیا کی کوئی طاقت ان کے مطالبہ پاکستان کو ٹال نہیں سکتی۔ بعض دین فروش نام نہاد لیڈر مسٹر جناح کو گالیاں دیتے ہیں لیکن انہوں نے آج تک کسی کو برا نہیں کہا، یہ ان کے سچا رہنما ہونے کا ثبوت ہے۔ (حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی محدث علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)۱۵۲

☆ ہندوستان میں پاکستان بنے گا اور ضرور بنے گا، حکومت برطانیہ مجبور ہو گی کہ پاکستان کی تصدیق کر دے اور بالآخر ہندو خود مجبور ہوں گے کہ اسے منظور کر لیں اور مسلمان جب تک زندہ ہے اور دس کروڑ نفوس میں سے ایک فرد واحد بھی باقی ہے، وہ انگریز کی غلامی سے نکل کر ہندوؤں کی غلامی ہرگز قبول نہیں کریگا۔ (ابوالبرکات حضرت سید محمد فضل شاہ جلالپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)۱۵۳

☆ آپ سب کو میں وہی بات کہہ دینا چاہتا ہوں جو ایک ہفتہ قبل قائد اعظم سے کہی تھی کہ اگر مسلم لیگ اپنے مطالبہ پاکستان سے ہٹ گئی تو کیا پرواہ مگر آل انڈیا سنی کانفرنس مطالبہ پاکستان سے نہیں ہٹ سکتی، اگر خدا نے چاہا اور اس کے مقدس حبیب ﷺ کو منظور ہوا تو ہم ہر ممکن طریق پر پاکستان حاصل کر کے

رہیں گے۔ (مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ۱۵۴

☆ہم طے کر چکے ہیں کہ ہندوستان کی سرزمین میں ایک ہی جھنڈا بلند ہو اور وہ جھنڈا اسلام کا ہو، ہم پاکستان چاہتے ہیں اور پاکستان حاصل کر کے رہیں گے اور پاکستان کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے۔ (عبدالحامد بدایونی) ۱۵۵

☆پاکستان کے ہم حامی ہیں ہم وہ پاکستان چاہتے ہیں جہاں قرآن حکیم کے احکامات نافذ ہوں، جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی واجب العمل ہو اور شریعت مقدسہ کے مطابق فیصلے ہوں۔ جہاں پاک لوگ بسیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ارکان اسلام کی توہین نہ ہو، جہاں مساجد و مقابر کی حرمت کو ملحوظ رکھا جائے، جہاں لامذہبیت اور دہریت کی بنیادیں اکھاڑ پھینک دی جائیں، ایسے پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے اگر جان تک بھی کام آئے گی تو ہم دریغ نہیں کریں گے۔ (مولانا ظہورالحسن درس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ۱۵۶

تحریک پاکستان کے متعلق حضرت حکیم اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات اور ان پر مختصر تبصرہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، اس سلسلہ میں ان کے ملفوظات کو ریکارڈ پر لانا ضروری ہے، نیز حضرت حکیم صاحب کی تحریک سے متاثر ہو کر موضوع زیر بحث پر جتنے مقالات لکھے گئے اور جو کتب منظر عام پر آئیں ان کی ایک جامع فہرست مرتب کی جائے تا کہ مستقبل کے مؤرخ کے لئے حکیم صاحب کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے بنیادی مآخذ کے طور پر یہ فہرست اس کے لئے ممد و معاون ثابت ہو۔

حواشی

۱۔ ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء

۲۔ ہفت روزہ "آئین" لاہور، ۸ ستمبر ۱۹۶۷ء، ص ۵

۳۔ ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء، ص: ۲۳

۴۔ ابو الاعلیٰ مودودی: تجدید و احیائے دین، اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔ ۱۹۸۶ء

ص ۱۲۸

۵۔ حسین احمد دیوبندی، مولوی: نقش حیات، دارالاشاعت کراچی، ص ۴۱۹

۶۔ محمد اسماعیل پانی پتی، مولوی: مقالات سرسید حصہ نہم، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۴۲

۷۔ حیرت دہلوی، مرزا: حیات طیبہ، اسلامی اکادمی، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۲۳۱

۸۔ ایضاً ص ۲۳۰ ۹۔ ایضاً: ۲۳۱ ۱۰۔ ایضاً: ۲۰۔۲۲۱

۱۱۔ محمد حسین، مولوی: الاقتصاد فی مسائل الجہاد، مکتبہ الجمال چک ۱۱۲ آر۔ ۱۰، خانیوال، ص ۴۹

۱۲۔ صدیق حسن خان بھوپالی، نواب: ترجمان وہابیہ، مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ، ص ۵۱۔۵۲

۱۳۔ محمد اسماعیل پانی پتی، مولوی: مقالات سرسید حصہ نہم، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۸

۱۴۔ محمد ایوب قادری، پروفیسر: مولانا محمد احسن نانوتوی، روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۵۰

۱۵۔ صلاح الدین یوسف، حافظ: تحریک جہاد جماعت اہلحدیث اور علمائے احناف،

ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ ۱۹۸۶ء، ص ۶۸

۱۶۔ عبدالرشید ارشد: بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۱۹۲ حاشیہ

۱۷۔ محمد عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی: تذکرۃ الرشید، جلد اول، مکتبہ مدنیہ لاہور، ص ۷۳، ۱۸۔ ایضاً ص ۷۵۔ ۷۴، ۱۹۔ ایضاً: ۷۶

۲۰۔ ایضاً: ص ۷۳ ۲۱۔ ۲۲۔ ایضاً ۷۹۔ ۸۰

۲۳۔ محمد صادق قصوری: اکابر تحریک پاکستان حصہ دوم (مقدمہ) نوری بکڈپو لاہور ۱۹۷۹ء ص ۱۵

۲۴۔ ماہنامہ "فیضان" فیصل آباد، اگست ۱۹۷۸ء، ص ۳۹

۲۵۔ ماہنامہ "ترجمان اہل سنت" کراچی ستمبر ۱۹۸۲ء، ص ۲۳

۲۶۔ محمد ایوب قادری، پروفیسر: مولانا محمد احسن نانوتوی، رونیکل لکھنؤ لٹریری سوسائٹی کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۲۱۷

۲۷۔ نذیر نیازی، سید: اقبال کے حضور، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۲۶۱

۲۸۔ محمد سرور: افادات وملفوظات، مولانا عبیداللہ سندھی، سندھ ساگر اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۷ء، ۳۸۲

۲۹۔ محمد میاں، مولوی: علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے حصہ اول مکتبہ شیخ الاسلام رحیم یار خان، ص ۲۰۲

۳۰۔ محمد انوار الحسن، پروفیسر: حیات عثمانی، مکتبہ دار العلوم، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۵۷۔ ۱۵۸

۳۱۔ حبیب احمد، چودھری: تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، البیان لاہور ۱۹۶۷ء ص ۲۲۵

۳۲۔ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری، علامہ: رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۳۲

۳۳۔ ایضاً ص ۱۴۴

۳۴۔ ابوالاعلیٰ مودودی : سود، مکتبہ جماعت اسلامی لاہور ۱۹۴۸ء ص ۷۷۔۷۸ حاشیہ

۳۵۔ رشید احمد گنگوہی، مولوی : فتاویٰ رشیدیہ، ایم ایچ سعید کمپنی کراچی ۱۹۷۳ء ص ۱۸۲

۳۶۔ حسین احمد دیوبندی، مولوی : سفر نامہ شیخ الہند، ستار پریس دہلی ص ۱۱۰

۳۷۔ پروین روزینہ : جمعیۃ العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۲۰۳

۳۸۔ رئیس احمد جعفری : اوراق گم گشتہ، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۵۹

۳۹۔ اشرف علی تھانوی، مولوی : تحذیر الاخوان عن الربٰوا فی الہندوستان، اشرف المطابع تھانہ بھون ص ۸

۴۰۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ : اندھیرے سے اجالے تک، مرکزی مجلس رضا ۱۹۸۵ء ص : ۲۱۴

۴۱۔ محمد صدیق حسین، نواب : ترجمان وہابیہ، مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ ص ۱۵

۴۲۔ محمد حسین بٹالوی، مولوی : الاقتصاد فی مسائل الجہاد، مکتبہ الجمال چک R-۱۰-۱۱۴ تحصیل خانیوال، ص ۱۹

۴۳۔ فضل حسین بہاری : الحیاۃ بعد المماۃ، المکتب الاثریہ، ر انگلا ہل ۱۹۸۴ء، ص ۸۰

۴۴۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا، اندھیرے سے اجالے تک، مرکزی مجلس رضا ۱۹۸۵ء ص : ۲۱۵

۴۵۔ ابوالاعلیٰ مودودی : رسائل و مسائل حصہ چہارم، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۱ء ص ۹۴۔۱۹۳

۴۶۔ محمد ایوب قادری، پروفیسر : مقدمہ "پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا

مسئلہ" از پروفیسر خورشید احمد، مکتبہ معاویہ کراچی ۱۹۷۰ء ص ۱۴

۴۷۔ مجلہ "معارف رضا" کراچی ۱۹۸۵ء ص ۸۵۔ ۸۴

۴۸۔ محمد مرید احمد چشتی: جہانِ رضا، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۲۵

۴۹۔ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس کراچی ۱۹۹۰ء، ص ۳۷

۵۰۔ ہفت روزہ "الفتح" کراچی ۲۸/ مئی، ۴/ جون ۱۹۷۶ء، ص ۱۸

۵۱۔ ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء، ص: ۲۵

۵۲۔ ایضاً: ص ۲۵

۵۳۔ پندرہ روزہ "ندائے اہل سنت" لاہور یکم تا ۱۵/ اکتوبر ۱۹۹۱ء، ص ۹

۵۴۔ ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء، ص: ۲۳

۵۵۔ ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء، ص: ۲۴

۵۶۔ عبدالنبی کوکب، قاضی: مقالات یوم رضا حصہ اول، دائرۃ المصنفین لاہور ۱۹۶۸ء ص ۹۴

۵۷۔ ایضاً: ص ۹۵

۵۸۔ کاش البرنی: مسلم انڈیا، سٹار لائٹ پبلشنگ کمپنی لاہور ۱۹۴۳ء، ص ۱۵۹

۵۹۔ محمد امین زبیری: سیاست ملیہ، آتش فشاں پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۱۴۷

60. J. F. C. Fuller: India in Revolt, Eyre and spotiswoode Publications Limited London. P.160

۶۱۔ مجلہ "برگ گل" کراچی ۱۴۰۱ھ، جوہر نمبر ص ۳۸۷

۶۲۔ ایچ۔ بی۔ خان: برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد ۱۹۸۵ء، ص ۱۳۵

۶۳۔ انوار الحسن: تجلیات عثمانی بحوالہ مکتوبات امام احمد رضا بریلوی مع تنقیدات وتعاقبات از پروفیسر محمد مسعود احمد، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۱۴۲

۶۴۔ محمد سلیمان اشرف، پروفیسر :الرشاد، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۷۰

۶۵۔ ماہنامہ "رضوان" لاہور مئی ۱۹۸۹ء، ص ۱۰

۶۶۔ رئیس احمد جعفری :اوراق گم گشتہ، محمد علی اکیڈمی لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۳۵۴

۶۷۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر : تذکرہ مظہر مسعود، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۶۹ء، ص ۵۲۰

۶۸۔ احمد رضا خان، امام :انفس الفکر فی قربان البقر، مطبع اہل سنت وجماعت بریلی، ص ۱۹،اسی رسالہ میں فاضل بریلوی کا تفصیلی فتویٰ موجود ہے(مرتب غفرلہ)

۶۹۔ عبدالنبی کوکب، قاضی : مقالات یوم رضا حصہ اول، دائرۃ المصنفین لاہور ۱۹۶۸ء،ص ۹۲۔۹۳

۷۰۔۷۱۔۷۲۔ ایضاً: ص ۹۷ تا ۱۰۰

۷۳۔ محمد ادریس، مولوی : خطبات مدنی، کتب خانہ مجیدیہ ملتان، ص ۴۸۰

۷۴۔ رئیس احمد جعفری : "قائداعظم اوران کا عہد" مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۸۶

۷۵۔ جی الانہ : قائداعظم جناح ایک قوم کی سر گزشت، فیروز سنز لاہور ۱۹۶۷ء، ص ۱۹۷

۷۶۔ عبدالماجد دریابادی، مولوی : معاصرین، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص ۴۹

77. Jawahar Lal Nehru: An Autobiography, John Lane the Bodley Head London 1936, p. 119

۷۸۔ رشید محمود، راجا : تحریک ہجرت(۱۹۲۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۳۴

۷۹۔ پروین روزینہ : جمعیت علمائے ہند : جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، ۱۹۸۰ء، ص : ۴۷

۸۰۔ محمد عدیل عباسی، قاضی : تحریک خلافت ؛ پروگریسو بکس ، لاہور، ۱۹۸۶ ص : ۱۷۰

۸۱۔ مجلہ برگ گل، کراچی، ۱۴۰۱ھ، جوہر نمبر، ص: ۱۹۴

۸۲۔ اصغر حسین، مولوی: حیات شیخ الہند، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۸۱

۸۳۔ تحریک ترک موالات کی مخالفت کی وجہ سے نیشلنسٹ مولویوں کی طرح، مولوی محمد علی جوہر بھی علامہ اقبال سے ناراض تھے اور انہیں "اقبال مرحوم" کہنے لگے تھے (مجلہ علم و آگہی، کراچی، ۷۹۔۱۹۷۸، خصوصی شمارہ ص: ۲۴۷)

۸۴۔ محمد احمد خان: اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص: ۲۳۹۔ علامہ اقبال مرحوم تحریک خلافت کے بھی مخالف تھے، تفصیل کے لئے دیکھئے:

ا۔ محمد اقبال، علامہ: مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان، اقبال اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۵۳۵

ب۔ رئیس احمد جعفری: اقبال اور سیاست ملی، اقبال اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۲۰

ج۔ رشید محمود، راجا: تحریک ہجرت (۱۹۲۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶، ص ۲۳

۸۵۔ محمد امین زبیری: سیاست ملیہ، آتش فشاں پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۳۶

۸۶۔ رئیس احمد جعفری: اوراق گم گشتہ، محمد علی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص: ۴۹

۸۷۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر: مکتوبات امام احمد رضا خان مع تنقیدات و تعاقبات، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۱۷

۸۸۔ نور احمد، سید: مارشل لاء سے مارشل لاء تک، دارالکتاب، لاہور، ص: ۱۴

۸۹۔ اشرف علی تھانوی، مولوی: الافاضات الیومیہ، حصہ ششم، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ص: ۲۰۵

90. Khalid. B. Sayeed Pakistan the formative Phase, Oxford University Press, Karachi. 1978, P.148

۹۱۔ ابو سلمان شاہجہان پوری: مولانا ابو الکلام آزاد ایک شخصیت ایک

مطالعہ، پروگریسو بکس، لاہور، ص : ۱۰۳

۹۲۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر : تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، رضا پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص : ۱۳۰

۹۳۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر : وے صورتیں الٰہی، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۶ء ص ۱۰۳

94. Abdul Hamid: Muslim Sepratism In India, Oxford University Press, Lahore, 1971, P- 148

۹۵۔ رشید محمود، راجا : تحریک ہجرت (۱۹۲۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶، ص ۳۵

۹۶۔ عبدالحمید جہاد زندگی، فیروز سنز لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۵۔ ۷۶

۹۷۔ محمد امین زبیری : سیاست ملیہ، آتش فشاں پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۱، ص ۱۴۷

98. J.E. Woolacott: India on Trial, Macmillan and company Limited London 1929, P.115

۹۹۔ الف، رئیس احمد جعفری : "قائداعظم اور ان کا عہد" مقبول اکیڈمی ص ۸۶

B. Aziz Beg: Jinnah and His Times , Babur and Amer Publications Islamabad, P- 348

۱۰۰۔ غلام معین الدین نعیمی، مولانا : حیات صدر الافاضل، ادارہ نعیمیہ رضویہ سواد اعظم لاہور، ص ۹۹

۱۰۱۔ فیض احمد فیض، مولانا : مہر منیر، پاکستان انٹر نیشنل پرنٹرز لاہور، ص ۲۷۴

۱۰۲۔ تاج الدین احمد تاج، منشی : ہندوؤں سے ترک موالات، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۴ء، ص ۱۸

۱۰۳۔ محمد سلیمان اشرف، پروفیسر : الرشاد، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۱۵۔۱۶

۱۰۴۔ محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا : مجموعہ افاضات صدر الافاضل، ادارہ نعیمیہ رضویہ سواد اعظم لاہور، ص ۳۴۔ ۳۳

۱۰۵۔ احمد رضا خان، امام : فتاویٰ رضویہ، جلد ششم مطبوعہ مبارکپور، ص ۹۹۔ ۹۸

۱۰۶۔ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری، مولانا: رسائل رضویہ، جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۹۵

۱۰۷۔ ایضاً، ص ۲۰۲ ، ۱۰۸۔ ایضاً: ص ۸۶۔۸۵

۱۰۹۔ عبدالنبی کوکب، قاضی: مقالات یوم رضا حصہ اول، دائرۃ المصنفین لاہور ۱۹۶۸ء ص ۳۔۱۰۳

۱۱۰۔ ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء

۱۱۱۔ ماہنامہ "انوار الفرید" ساہیوال ، نومبر دسمبر ۱۹۸۴ء، فرید العصر نمبر ص ۶۰۔۵۹

۱۱۲۔ ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء

۱۱۳۔ ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء

۱۱۴۔ ماہنامہ "ساحل" کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء

۱۱۵۔ ماہنامہ "طلوع اسلام" دہلی، مارچ ۱۹۳۹ء، ص ۹۸

۱۱۶۔ ماہنامہ "طلوع اسلام" دہلی، اپریل ۱۹۴۰ء، ص ۷۷

۱۱۷۔ ماہنامہ "قائد مراد آباد" ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ، کمال نمبر ص ۳۸

۱۱۸۔ رئیس احمد جعفری: "قائداعظم اور ان کا عہد" مقبول اکیڈمی ص ۷۶

۱۱۹۔ حسین احمد دیوبندی، مولوی: مسئلہ قومیت اور اسلام، المحمود اکیڈمی لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۸۰

۱۲۰۔ ضیاء الحامدی، مولانا: پاکستان اور کانگرسی علماء کا کردار، مکتبہ الرضا، لاہور، ص ۲۰

۱۲۱۔ محمد طاہر قاسمی: مکالمۃ الصدرین، مکتبہ حبیبیہ لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۱۲

۱۲۲۔ حبیب احمد چودھری: تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، البیان، لاہور، ۱۹۶۶ء ص ۵۷۴

۱۲۳۔ محمد جلال الدین قادری: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مکتبہ رضویہ گجرات،

۱۹۷۸ء، ص ۶۴

۱۲۴۔ شورش کاشمیری: خطبات احرار، مکتبہ مجاہدین احرار لاہور ۱۹۴۴ء، ص ۸۳

۱۲۵۔ ایضاً: ص ۹۹

۱۲۶۔ حبیب احمد چودھری: تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، البیان لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۸۴۔ ۸۸۳

127. Report of the court of Inquiry- Disturbance 1953, Govt. Printing Punjab Lahore 1954. P-256

۱۲۸۔ ولی مظہر ایڈووکیٹ: عظیم قائد عظیم تحریک، جلد دوم، شہری مسلم لیگ ملتان، ص ۷۳۷

۱۲۹۔ ماہنامہ "السواد الاعظم" مراد آباد، شوال ۱۳۵۰ھ، ص ۱۳

۱۳۰۔ آفتاب احمد قرشی، حکیم: کاروان شوق، ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۸۴ء، ص ۲۲۳

۱۳۱۔ الف: ماہنامہ "رضائے مصطفیٰ" گوجرانوالہ مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۷

ب: ہفت روزہ "الہام" بہاولپور ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء، ص ۷

ج: ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور، اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۶۴

د: ماہنامہ "رموز" برمنگھم انگلستان اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۲۳

۱۳۲۔ محمد صادق قصوری: انوار امیر ملت، مرکزی مجلس امیر ملت برج کلاں، قصور ۱۹۸۳ء، ص ۱۷

۱۳۳۔ ولی مظہر ایڈووکیٹ، عظمتوں کے چراغ، حصہ سوم، مجلس کارکنان تحریک پاکستان ملتان ۱۹۸۹ء، ص ۱۷۲

۱۳۴۔ ماہنامہ "القول السدید" لاہور جنوری ۱۹۹۴ء، ص ۷۰۔ ۶۹

۱۳۵۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر، تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، رضا پبلی کیشنز لاہور

۱۹۷۹ء، ص ۳۷

۱۳۶۔ محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مکتبہ رضویہ، گجرات ۱۹۷۸ء، ص ۳۰۔۳۹

۱۳۷۔ محمد صادق قصوری: امیر ملت اور آل انڈیا سنی کانفرنس، مرکزی مجلس امیر ملت برج کلاں، قصور ۱۹۸۳ء، ص ۱۷

۱۳۸۔ ہفت روزہ "احوال" کراچی، ۱۳۔۱۹ر اگست ۱۹۹۲ء ص ۳۳

۱۳۹۔ عبدالشاہد شیروانی: باغی ہندوستان (ضمیمہ) مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۳۴۶

۱۴۰۔ رشید محمود راجا: اقبال، قائداعظم اور پاکستان، نذیر سنز پبلشرز لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۱۳۰

۱۴۱۔ عبدالنبی کوکب: تحریک پاکستان اور علمائے اہل سنت، الاصلاح پبلی کیشنز، ساہیوال ۱۳۹۹ھ، ص ۱۳

۱۴۲۔ رئیس احمد جعفری: "قائداعظم اور ان کا عہد" مقبول اکیڈمی، لاہور ص ۴۲۰

۱۴۳۔ محمد برہان الحق جبل پوری، مفتی: تحریک پاکستان کی ایک اہم دستاویز، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۱۴

۱۴۴۔ رشید محمود راجا: اقبال، قائداعظم اور پاکستان، نذیر سنز پبلشرز لاہور، ۱۹۸۳، ص ۱۲۳

۱۴۵۔ نجم الدین اصلاحی، مولوی: مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول، مکتبہ دینیہ دیوبند، ص ۲۶۰

۱۴۶۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور اگست ۱۹۸۳ء، آزادی نمبر ص ۱۱۔۲۱۰

147. Ikram Ali Malik: A Book of Reading on the History of the Punjab, Research Society of Pakistan, Lahore. 1970. P-578

۱۴۸۔ ولی مظہر ایڈووکیٹ : عظیم قائد عظیم تحریک، جلد دوم، شہری مسلم لیگ ملتان، ص ۸۸۵

۱۴۹۔ ماہنامہ "ترجمان اہل سنت کراچی ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء، ص ۴۳

۱۵۰۔ ماہنامہ "رموز" برمنگھم انگلستان اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۴۴

۱۵۱۔ سید محمد محدث کچھوچھوی، رئیس المتکلمین : خطبہ صدارت، اہل سنت برقی پریس مراد آباد، ص ۱۹

۱۵۲۔ محمد صادق قصوری :امیر ملت اور ان کے خلفاء، مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ ۱۹۸۳ء ، ص ۴۶

۱۵۳۔ محمد عبدالغنی، ڈاکٹر :امیر حزب اللہ، ادارہ حزب اللہ جلال پور شریف، ۱۹۶۵ء، ص :۴۰۶

۱۵۴۔ ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور ۱۱ نومبر ۱۹۴۶، ص :۳

۱۵۵۔ ہفت روزہ "احوال" کراچی ۱۶ تا ۲۲ اگست ۱۹۹۰ء، ص :۳۱

۱۵۶۔ ہفت روزہ افق کراچی، ۱۰ تا ۱۶ ستمبر ۱۹۷۸ء، ص :۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا شاہ احمد رضا خاں اور ان کے رفقاء کی سیاسی بصیرت

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ رستاخیز کے بعد ہندوؤں کی متعصبانہ، مسلم کش سیاست نے ایک ٹمٹماتے ہوئے ستارے کی طرح اپنا سفر شروع کیا۔

لیکن بیسویں صدی کے آغاز تک، بر عظیم پاک و ہند کے مطلع سیاست پر، ہندو لیڈروں کا اثر و رسوخ، آفتاب درخشاں بن کر چمک رہا تھا۔ گاندھی کی نقاب پوش سیاست نے ہندو مسلم اتحاد کے پردے میں، مسلمانوں کو سیاسی، دینی اور تہذیبی اعتبار سے قلاش کر کے رکھ دینے کے جو منصوبے تیار کئے تھے، بہت کم زعماء، ان کے مضمرات سے، بروقت آگاہ ہو سکے تھے۔ تاہم علمائے دین کے بعض حلقوں میں، اس پر شدید اضطراب محسوس کیا جانے لگا۔ اگرچہ دوسری طرف بھی علماء ہی کی ایک کثیر تعداد تھی، جو اپنے مدارس و مکاتب اور تبلیغی اداروں کی تمام تر قوتوں سمیت، ہندو لیڈروں کی دعوت پر لبیک کہہ رہی تھی۔ اور ہندو مسلم اتحاد کی لے میں، اپنے دینی و ملی شعائر کے معاملہ میں بھی کمزوری دکھائی جا رہی تھی۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے، کہ علماء ہی کی صفوں میں ایسے مردان

حق بھی موجود تھے جنھوں نے اس طاغوت کے سر پر ضرب کاری لگائی۔ اس سلسلے میں علمائے بریلی، حضرت مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز اور ان کے بعض رفقاء مثلاً مولانا سید سلیمان اشرف اور مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کی خدمات بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ بر عظیم میں تحریک آزادی کی تاریخ، اور مسلمانان پاک وہند کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ میں دل چسپی لینے والے فضلاء اور طلبہ کے لئے، اس گوشے میں ایک اہم خزانہ ابھی تک محفوظ ہے۔ جسے تاحال منظر عام پر لانے کی طرف کماحقہ توجہ نہیں کی گئی۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کے اسباب کی نشاندہی ممکن ہے تاہم اس موضوع پر کسی تفصیلی مقالے میں روشنی ڈالیں گے، سردست ان سطور میں مذکورہ بالا علماء کی بعض تحریرات پیش کرنا مقصود ہے تاکہ اس موضوع پر کام کرنے والے اصحاب، متعلقہ ماخذ کو سامنے رکھ کر اس کام کو آگے بڑھا سکیں۔

سب سے پہلے مولانا سید سلیمان اشرف کی تالیف "النور" کے آغاز سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم مولانا شاہ احمد رضا قدس سرہ کے خلفاء میں سے تھے۔ مولانا کی یہ کتاب ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کو مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ نے شائع کیا تھا اور اس کے ٹائٹل پر یہ الفاظ درج ہیں:

"حالات حاضرہ پر ایک مصلحانہ نظر"

مولانا موصوف نے تین چار پیروں میں ۱۸۵۷ء سے اپنے دور تک کی، ہندو لیڈروں کی شاطرانہ سیاست کا جائزہ لیا ہے، لکھتے ہیں:

☆۔۔۔ سن ستاون (۱۸۵۷ء) کا ہنگامہ اور ستارۂ صلاح و فلاح مسلمانانِ ہند کا غروب، مفہوم مرادف ہے۔ مسلمانوں کے اس تنزل سے، ان کی ہمسایہ قوم نے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کی اور بہت جلد مسلمانوں کے املاک اور دیگر جاہ و عزت کے سامان اہل ہنود کے دستِ تصرف میں آ گئے۔ ہندوؤں کو جب اس طرف سے ایک گونہ اطمینان پیدا ہو گیا تب انہوں نے مسلمانوں کے مذہب پر حملہ آوری شروع کی۔ مظالم و جفاکاری کا ایک کوہ آتش فشاں تھا، جس سے انواع و اقسام کے شعلے پھٹ کر نکلتے اور جا جا مسلمانوں کی غیرت و حمیت کو، ان کے حقوق کے ساتھ خاک سیاہ کرنا چاہتے تھے۔

یوں تو مسلمانوں کا ہر رکن مذہبی اہل ہنود کو چراغ پا کر دینے کا کافی بہانہ تھا، لیکن بقر عید کے موقع پر گائے کی قربانی سے جو تلاطم اور ہیجان ان میں پیدا ہوتا ان کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ لیکن غیرت مند مسلمان اپنے دینی وقار اور مذہبی استحقاق کے قائم رکھنے میں ہمیشہ استقلال و ہمت سے ان کی ستمکاریوں کی مدافعت کرتے رہے۔

محض سفاکی و بے رحمی کو چند سال کے تجربہ نے جبکہ ناکافی ثابت کیا تو اہل ہنود تدابیر و حیل کی آمیزش اپنی جفاکاری میں ضروری سمجھ کر تدلیس و تلبیس سے بھی کام لینے لگے۔ چنانچہ ۱۲۹۸ھ میں اہل ہنود نے ایک عبارت استفتاء مرتب کر کے بنام زید و عمر مختلف شہروں سے متعدد علمائے کرام کی خدمت میں روانہ کی۔

استفتاء میں اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ موقع بقر عید پر گائے کی قربانی

جبکہ موجب فتنہ و فساد ہے اور امن عامہ میں کی وجہ سے خلل آتا ہے، اگر مسلمان گائے کی قربانی موقوف کردیں تو کیا مضائقہ ہے؟

حضرات علماء نے نہایت مدلل طریقہ پر اس کا یہی جواب تحریر فرمایا کہ شریعت نے جو اختیار عطا فرمایا ہے، اس سے فائدہ اٹھانے کا ہمیں حق حاصل ہے، خوفِ فتنہ ہو تو حکومت کی قوت کو متوجہ کرنا چاہیے۔ بہ پاس خاطر ہنود یا خوف ہنود اپنے دینی حق سے باز رہنا ہرگز روا نہیں۔

دو تین برس بعد پھر اسی قسم کا استفتاء جاری ہوا اور پھر دربار شریعت سے یہی فتویٰ صادر ہوا۔ مولانا المفتی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا رسالہ "أنفس الفکر في قربان البقر" ۱۲۹۸ھ کا تصنیف ہے اسے ملاحظہ فرمایئے، اور مجموعہ فتاویٰ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم مطالعہ کیجیے۔ ساری حقیقت واضح ہو جائے گی، اس کے بعد ۱۳۲۹ھ میں پھر اسی سوال کا اعادہ کیا گیا اور دارالافتاء سے اسی اگلے جواب کا افاضہ فرمایا گیا۔

گوپا اور مئو میں جب ہندوؤں نے ایک حشر عظیم بپا کا اور بعد قتل و غارت گری اور بے حرمتی مساجد، اس کوشش میں سرگرم ہوئے کہ حکام کچہری پر یہ ثابت کریں کہ قربانی گاؤ سے ہندوؤں کی دل آزاری ہوتی ہے اور گائے کی قربانی حسب اجازت مذہب اسلام نہیں۔ اس وقت علامہ چریاکوٹی، مولانا محمد فاروق صاحب عباسی نے ایک رسالہ چھپوا کر شائع فرمایا، جس میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے اچھی طرح ثابت فرمادیا کہ اہل ہنود کا ادعائے باطل محض بے بنیاد ہے۔ نیز واقعۂ مئو کی مستند تاریخ ایک مسدس کی نظم فرمائی جو ہندوؤں کے مظالم اور

مسلمانوں کی مظلومیت واستقامت کی ہو بہو تصویر ہے۔ یہ دونوں رسالے چھپ کر ملک میں شائع ہو چکے ہیں۔

اشارات صدر سے صرف اس قدر ثابت کرتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے شعار دین کی توہین اور ارکان مذہبی کے نیست و نابود کرنے میں اپنی پوری جسمانی، مالی اور دماغی قوت گوناگوں طور پر صرف کرنے میں پچاس برس سے مسلسل ساعی و کوشاں ہیں۔ لیکن علمائے کرام اور عامہ مسلمین آج تک ان کے دامنوں میں پناہ لینے سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔" (النور: ص ۱۔۲)

اس کے بعد، آگے چل کر اس دور کا نقشہ کھینچا ہے۔ جبکہ کانگرس کے حامی علماء کی "مساعی جمیلہ" سے مسلمانوں کو رام کر لیا گیا تھا۔ اور ہندو تہذیب کے شعائر، مسلمانوں کے دینی نشانات پر غلبہ و تفوق پا رہے تھے اور یہ سب کچھ نام نہاد علماء کی سرپرستی اور نگرانی میں کیا جا رہا تھا۔

"۔۔۔۔۔گائے کی قربانی، مسلمانوں سے چھڑائی جاتی ہے۔ موحدین کی پیشانیوں پر قشقہ، جو شعار شرک ہے، کھینچا جاتا ہے۔ مساجد اہل ہنود کی تفرج گاہیں، مندر مسلمانوں کا ایک مقدس معبد ہے۔ ہولی شعارِ اسلام ہے جس میں رنگ پاشی اور وہ بھی خاص اہل ہنود کے ہاتھوں سے جبکہ وہ نشہ شراب میں بدمست ہوں عجب دل کش عبادت ہے۔ بتوں پر ریوڑیاں چڑھانا ہار پھولوں سے انھیں آراستہ کرنا پھولوں کا تاج اصنام کے سروں پر رکھنا خالص توحید ہے۔ یہ سارے مسائل ان صورتوں میں اس لئے ڈھل گئے کہ ہندوؤں کی دل نوازی اور استرضا سے زیادہ اہم نہ توحید ہے نہ رسالت نہ معاد۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ!" (النور، ص ۸)

حضرت مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ نے اس زمانے میں اپنی معرکۃ الآراء کتاب " المحجۃ المؤتمنۃ " تالیف فرمائی تھی۔ اس کا حسب ذیل اقتباس یہ ظاہر کرے گا۔ کہ بعض مسلمان زعماء، ہندو مسلم اتحاد کے پردے میں، دراصل ہندو تہذیب کی غلامی کے راستے پر گامزن ہو چکے تھے :

" جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری، پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری! وہ تمہیں ملیچھ جانیں تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہو جائے۔ سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں، پیسے لیں تو دور سے، یا پنکھا وغیرہ پیش کر کے اس پر رکھوالیں۔ حالانکہ بحکم قرآن خود ہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس و مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ۔ جو تمہارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے وہاں ان کے ننگے قدم رکھواؤ۔ گندے پاؤں رکھواؤ۔ مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا۔ محبت مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا۔ ان باتوں کا ان سے کیا کہنا جن پر حبك الشئ يعمي و يصم کا رنگ بھر گیا۔ سب جانے دو۔ خدا کو منہ دکھانا ہے یا ہمیشہ مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے۔ جواز تھا تو یوں کہ کوئی کافر۔۔۔۔۔۔ مثلاً اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں، نجس بت پرستوں کو مسلمانوں کا واعظ بنا کر مسجد میں لے جاؤ۔ اسے مسند مصطفیٰ ﷺ پر بٹھاؤ۔ مسلمانوں کو نیچے کھڑا کر کے اس کا وعظ سناؤ۔ کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمہیں مل سکتی ہے۔ حاشا ثم حاشا۔ للہ انصاف! کیا یہ اللہ و رسول سے آگے بڑھنا شرع مطہر پر افترا گھڑنا، احکام الٰہی دانستہ بدلنا، سؤر کو بکری بتا کر نگلنا نہ ہوگا؟ (المحجۃ المؤتمنۃ : ۸۴)

فاضل بریلوی کے بیان فرمودہ حقائق کی ایک جھلک میرے بہت سے بزرگوں اور دوستوں نے اس وقت دیکھی جبکہ گروہ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین امرتسر میں لاکر منبر رسول پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں بیٹھے۔ اور یہ دعا کی گئی کہ "اے اللہ تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرما۔" (معاذ اللہ)

بات یہاں تک ہی نہیں رہی تھی۔ اس وقت کے ایک جید عالم نے یہ کہہ دیا۔

عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت
رفتی و نثار بت پرستے کردی

ایک بہت بڑے لیڈر نے یہ گوہر افشانی فرمائی کہ "زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا کو راضی کرو گے۔"

بھائیو! خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو۔ اگر ہم اس رسی کو مضبوط پکڑ لیں گے تو چاہے دین ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے مگر دنیا ہمیں ضرور ملے گی" ایک جلسہ میں یہ، یہ کہا گیا "اے اللہ ہم سے ایک نیک کام ہو گیا ہے کہ میں اور مہاتما گاندھی یقینی بھائی ہو گئے ہیں۔ (النور، ص: ۲۲۶۔ ۲۲۷)

اس خوفناک سازش کے خلاف سب سے پہلے جس نے صدائے احتجاج بلند کی وہ فاضل بریلوی کی ذات گرامی اور ان کے خلفاء تھے۔ مسٹر گاندھی نے علماء پر جو فسوں کر دیا تھا حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کو اس کے قلق کا اندازہ صرف اس واقعے سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی وفات حسرت آیات کے

وقت جو وصایا ارشاد فرمائے ان میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ گاندھی کے پیرکاروں سے جو یہ سب بھیڑیے ہیں، تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں ان کے حملوں سے اپنا ایمان بچاؤ۔

حضرت فاضل بریلوی اور ان کی تبلیغ سے سعید الفطرت علماء نے گاندھی کی پیروی ترک کرکے اعلانیہ توبہ کی۔ ان علماء میں سے حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پھر ان کے مرید مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی۔ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز حضرت مولانا شاہ احمد رضا نور اللہ مرقدہ کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ انہوں نے بھی ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ "حالاتِ حاضرہ" کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر فرمایا تھا جس میں ترکوں کی سلطنت کے مبتلائے مشکلات ہونے، اور اس کے ساتھ برعظیم کے مسلمانوں میں درد و کرب کی ایک لہر پیدا ہو جانے کو پس منظر میں رکھتے ہوئے، ایک دردمند اور بالغ نظر مبصر کی طرح، حالات کا جائزہ لیا ہے۔ اور مسلمان لیڈروں کو ان کی غلط روش پر متنبہ کیا ہے!

"۔۔۔ حالاتِ حاضرہ میں، سلطنت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کا معاملہ سب سے اہم ہے۔ جس نے تمام عالم اسلام کو بے چین کر دیا ہے اور اسلامی دنیا اضطراری یا اختیاری طور حرکت میں آگئی ہے، جوش کے تلاطم کی کیفیت نمایاں ہے اور نو عمر بچہ سے لے کر کبیر السن شیخ تک ہر شخص ایک ہی درد کا شاکی اور ایک ہی صدمہ کا فریادی نظر آتا ہے۔

سلطنت اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقامات مقدسہ بلکہ مقبوضات

اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی وبربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو کم ہے اور اس درد سے جس قدر بے چینی ہو تھوڑی ہے، مسلمانوں کا اقتدار خاک میں ملتا ہے ان کی سلطنت کے حصے بخرے کئے جاتے ہیں۔ ارض اسلام کا چپہ چپہ لڑ جاتا ہے قیامت نما زلازل بلاد اسلامیہ کو تہ وبالا کر ڈالتے ہیں۔ مقامات مقدسہ کی وہ خاک پاک جو اہل اسلام کی چشم عقیدت کے لئے طوطیا سے بڑھ کر کفار کے قدموں سے روندی جاتی ہے۔ حرمین محترمین اور بلاد طاہرہ کی حرمت ظاہری طور پر خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ مسلمانوں کے دل کیوں پاش پاش نہ ہو جائیں ان کی آنکھیں کیا وجہ ہے کہ خون کے دریا نہ بہائیں۔ سلطنت اسلامیہ کی اعانت وحمایت خادم الحرمین کی مدد ونصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔ اسلام نے تمام مسلمانوں کو تن واحد کے اعضاء کی طرح مربوط فرمایا ہے، ایک عضو کی تکلیف کا اثر دوسرے اعضاء پر پڑتا ہے اور اعضائے رئیسہ کے صدمہ سے تمام بدن متاثر ہو جاتا ہے۔

چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

عالم اسلام کے ہر متنفس کا صدمہ دوسرے مسلمان کو محسوس ہونا چاہیے چہ جائیکہ سلطان المسلمین کا صدمہ خادم الحرمین کا درد۔

دوسرے ممالک میں کیا ہو رہا ہے یہ تو ہمیں معلوم نہیں۔ لیکن ہندوستان میں مسلمان برابر جلسہ کر کے پرزور تقریروں میں جوش کا اظہار کر

رہے ہیں۔ سلطنت برطانیہ سے ترکی اقتدار کے برقرار رکھنے کی درخواستیں کی جاتی ہیں۔ ترکی مقبوضات واپس دینے کے مطالبے کئے جاتے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے رزولیوشن پاس ہوتے ہیں۔ وفد بھیجے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تدبیریں کہاں تک کامیاب ہو سکتی ہیں لیکن امید کے لمبے لمبے ہاتھ دل آرزدہ مسلمانوں کی گردنوں میں حمائل ہو کر انہیں جا جا لئے پھرتے ہیں، خدا کامیاب کرے مسلمانوں نے ان مساعی میں ضروری سمجھا ہے کہ ہندوؤں کو اپنے ساتھ شریک کریں اور اپنا ہم آواز بنائیں تا کہ ان کی صداامیں زور آئے اور سلطنت ان کی درخواست کان لگا کر سنے۔ اگرچہ یہ مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے۔

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است

رفتن بہ پائمردی ہمسایہ در بہشت

لیکن مذہب کا فتویٰ اس کو ممنوع اور ناجائز نہیں قرار دیتا۔ اور اس قدر جدوجہد جواز میں رہتی ہے۔

لیکن صورت حالات کچھ اور ہے اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہو کر جا ہے اور درست ہے، پکارتے، مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بجانہ تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان آمین کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔ پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا فتویٰ مقلد کی طرح سر نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے، ہندو آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے اپنا دین و مذہب ان پر نثار

کرتے چلے جاتے ہیں۔

پہلے تو ہندوؤں نے سود کے پھندوں میں مسلمانوں کی دولتیں اور جاگیریں لے لیں اب وہ مفلس ہو گئے اور کچھ پاس نہ رہا تو مقامات مقدسہ اور سلطنت اسلامیہ کی حمایت کی آڑ میں مذہب سے بھی بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ نادان مسلمانوں نے جس طرح دریا دلی کے ساتھ جائیدادیں لٹائیں آج اسی طرح مذہب فدا کر رہے ہیں۔ کہیں ہندوؤں کی خاطر سے قربانی اور گائے کا ذبحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے۔ معاذ اللہ۔

کروڑ سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں۔ مذہب کسی سلطنت کی طمع میں برباد نہیں کیا جا سکتا، مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے بہت خوب فرمایا کہ لعنت ہے اس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔ ترکی سلطنت کی بقاء کے لئے مسلمان کفر کرنے لگیں، شعائر اسلام کو میٹ دیں۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ اسلام ہی کے صدقہ میں تو اس سلطنت کی حمایت کی جاتی ہے ورنہ ہم سے اور ترکوں سے واسطہ مطلب۔ جو کوشش کی جائے اپنا دین محفوظ رکھ کر کی جائے۔۔۔۔ مگر

إذا كان الغراب دليل قوم
سيهديهم طريق الهالكين

جب ہندو پیشوا ہوں اور مسلمان ان کی کورانہ تقلید پر کمر باندھیں پھر مذہب کا محفوظ رکھنا کیونکر ممکن ہے۔

مسلمانوں کی نادانی کمال کو پہنچ گئی۔ نصاریٰ کے ساتھ ہوئے تو اندھے ہو کر موافقتِ بلادِ اسلامیہ میں جاکر لڑے، مسلمانوں پر تلواریں چلائیں۔ ان کے ملک ان سے چھین کر کفار کو دلائے، اب اس خود کردہ کا علاج کرنے چلے اور مشت بعد از جنگ یاد آیا تو ہندوؤں کی غلامی میں دین برباد کرنے پر تل گئے۔"

(حیات صدر الافاضل، ص:۹۹۔۱۰۲)

ان چند اقتباسات سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ ملک کے سیاسی وملی مسائل میں، حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ اور ان کے رفقاء کا موقف کیا تھا۔ اور بالخصوص متحدہ ہندوستانی قومیت کی تحریک کا ردعمل، ان علماء کے ہاں کس شکل میں رونما ہوا۔ حضرت مولانا بریلوی نے گاندھی کے فسوں کو توڑنے کی جو کوششیں کی تھیں اور اپنے رفقاء وخلفاء کی جس انداز میں تربیت کی تھی اس کا نتیجہ ہے کہ حضرت کے تلامذہ، خلفاء اور متبعین نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت کے خلفاء میں سے صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین اور حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی رحمہما اللہ نے تحریک پاکستان کو کامیاب کرنے کے لئے آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اور پاک وہند کے ہر شہر میں اس کی شاخیں قائم کیں۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس میں تائید تحریک پاکستان کی خاطر ایک کانفرنس منعقد کی، جس میں پانچ ہزار کی کثیر تعداد میں علماء ومشائخ شریک ہوئے۔ اور سب نے پاکستان بنانے کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف

کرنے کا عہد کیا۔ مولانا مراد آبادی تو حمایت تحریک پاکستان می اس قدر سر گرمی دکھارہے تھے کہ اس کی مثال محال ہے۔ مولانا اپنے ایک خط میں مولانا ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ کو لکھتے ہیں :۔

"۔۔۔۔پاکستان کی تجویز سے "جمہوریت اسلامیہ" (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔" (حیات صدر الافاضل، ص: ۱۸۶)

غرضکہ حضرت فاضل بریلوی أعلی اللّٰہ مقامہ پاکستان میں بسنے والے کل مسلمانوں کے محسن ہیں۔ کہ انہوں نے بروقت گاندھی کے خطرناک عزائم سے قوم کو آگاہ کیا اور سواد اعظم کے علماء و مشائخ کے ایک عظیم گروہ کی ایسی تربیت کر گئے کہ انہوں نے نہایت خلوص و دیانت کے ساتھ تحریک پاکستان کو کامیاب کیا۔

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا یہ مضمون ہر لحاظ سے نامکمل اور تشنہ ہے۔۔۔ بہر حال میں نے مؤرخین کو تحریک پاکستان کے ایک فراموش شدہ مگر اہم باب کی طرف توجہ دلادی ہے۔

تعزیتی پیغام

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری الازہری

جانشین مفتی اعظم بریلی شریف